دسمبر ۲۰۱۹ء

Rs.30/-

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ

حیاتِ نو

دہلی

جامعة الصفة ورنگل

دیشائی پیٹ روڈ، ورنگل (تلنگانہ)

دعوت دین واقامت دین کیلئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ جامعۃ الصفہ ورنگل اپنے مقاصد کی تکمیل کا جہاں سولہواں سال مکمل کررہا ہے، وہیں پر تحریکی حلقوں میں بھی ایک معروف منفرد ادارے کی حیثیت حاصل کرچکا ہے۔ 2005 تا 2018 کے عرصے میں بفضلہٖ تعالیٰ 86 طلباء حفظ القرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔ جب کہ گذشتہ چھ برسوں میں 12 طلباء دستار فضیلت سے سرفراز ہوکر تحریک اسلامی کی سعی وجہد میں اپنا عملی کردار نبھارہے ہیں۔

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں چار سالہ اور فضیلت کا دو سالہ کورس رکھا گیا ہے، جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھارہے ہیں تاکہ معاشرے میں وہ اپنا منصبی فریضہ ادا کرسکیں۔ کوشش کی جارہی ہے کہ فارغین جامعہ میں دین کی صحیح فکر، اقامت دین کی تڑپ، عصری علوم سے اتنی واقفیت، مہارت، بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ زمانے کے ہر چیلنج کا مطلوبہ اسلوب میں مقابلہ کرسکیں۔ جامعہ میں اس وقت ریاست تلنگانہ وآندھراپردیش کے مختلف اضلاع کے علاوہ دیگر کچھ مقامات کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلباء دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔ ان کی رہائش، طعام وتعلیم کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی میں مکمل کئے جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطائے فرمائے) طلباء کو انگریزی وعلاقائی زبان تلگو بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دے سکیں۔ اس کے علاوہ جامعہ میں کمپیوٹر لیاب بھی موجود ہے۔ انشاءاللہ جامعہ کی دوسری منزل کی تعمیر اسی سال پیش نظر ہے۔ ادارے کا ماہانہ خرچ -/2,20,000 روپے ہے۔ سالانہ اخراجات اور تعمیر کیلئے ادارہ دردمندان ملت کے بہی خواہاں تحریک سے دست تعاون کی امید بھی رکھتا ہے۔

نوٹ: کاکتیہ یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں اعلیٰ عصری علوم کے لئے شہر ورنگل آنے والے طلباء کی دینی واخلاقی تربیت اور بہتر رہائش کے علاوہ حصول تعلیم میں یکسوئی کے پیش نظر جامعۃ الصفہ کے ہاسٹل میں رہائش کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے ہاسٹل میں پروفیشنل کورس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء مقیم ہیں۔ الحمدللہ اس کے اچھے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

تعاون کی شکلیں : شعبہ حفظ وعالمیت کے طلباء کی کفالت کیلئے سالانہ فی طالب علم -/20,000 ہزار روپے ہے۔ اساتذہ وغیر تدریسی عملہ کی تنخواہوں کیلئے ماہانہ -/95,000 روپے اس کے علاوہ اور دیگر ضروریات۔۔۔۔

بانی وناظم جامعہ محمد خواجہ عارف الدین

پیغام عمل

طلباء کی ذہنی وفکری تربیت اور عملی جدوجہد کیلئے ناظم جامعہ جناب محمد خواجہ عارف الدین کی بعد نماز عشاء روزآنہ کی گئی فکری واصلاحی تقریروں کے مجموعے "پیغام عمل" (کتابی شکل) کو عام طور پر تحریکی حلقے میں کافی پسند کیا گیا ہے چنانچہ اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کردیا گیا ہے۔ جامعۃ الصفہ کے علاوہ مکتبہ اسلامی سب ڈپو چھتہ بازار، حیدرآباد سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (قیمت -/150)

JAMIA-TUS-SUFFAH, H.No. 11-24-314, Deshaipet Road, Warangal. (T.S.) India
Phone : +91-870-2424576, Cell: +91-98490 04547,
A/c. No. 444351498, Indian Bank, Mandi Bazar, Warangal. IFSC : IDIB000W004

SUFFAH HIGH SCHOOL

27 YEARS

English Medium, Nursery to X Class

Mandi Bazar, Warangal 506002 (Telangana)

Providing Excellence in Education Since 27 Years

Suffah High School was established in the year 1991 and since 27 years providing excellence in school education. We provide the best infrastructure for the students to get modern education in an islamic environment. Preparing the students for their better future here and hereafter

Our Facilities

- Moral Education
- Play Way Learning
- Arabic Classes
- Digital Class
- Coputer Lab
- Science Lab

Mohd. Khaja Arifuddin
Founder & Chairman

Dr. Aziz Ahmed Ursi
Founder Sec & Correspondent

Contact us @ 91870-2424086, 9700054253 email: suffah.shs@gmail.com

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی　　**مدیر اعزازی:** ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

جلد: ۴، شمارہ: ۱۲ دسمبر ۲۰۱۹ء/صفر ربیع الآخر۔ جمادی الاولیٰ۔ ۱۴۴۱ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 8287025094، 9927206518

انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں: 7011838453

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی	علی گڑھ
زبیر ملک فلاحی	لکھنؤ
انیس احمد فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	: اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:	۶۰ روپے
سالانہ زرتعاون	: اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ	: اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla,New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Ziauddin Falahi**

نقوشِ حیات

اداریہ	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۵
افادات جلیل احسن ندویؒ	ظفر احمد الاثری	۷
اسلامی اقدار پر مبنی نظام تعلیم: ایک عملی پلان	محمد محفوظ خان فلاحی	۲۱
اسلام میں انسانی اقدار اور اس کی اہمیت	محمد حسن حبیب فلاحی علیگ	۳۰
فاطمہ الفہری اور ان کی علمی میراث	صوفیہ خان فلاحی	۴۶
شہریت ترمیم بل میں مسلم پناہ گزین کیوں نہیں؟	رویش کمار/مترجم: محمد اسعد فلاحی	۵۰
میرا بھارتی ہیرو اتنا دکھی کیوں؟	ماسٹر شاہ عالم فلاحی	۵۷
مرحوم منظور کی یاد میں!	شمشاد حسین فلاحی	۶۰
منظور صاحب مدتوں یاد رہیں گے!	محمد اسامہ فلاحی	۶۳
تعارف وتبصرہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی، ڈاکٹر ابوضیغم خان شارق	۶۵
آپ کے خطوط	عبدالعزیز سلفی فلاحی	۷۳
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۷۴

مقالہ نگاران و قلمی معاونین

۱- ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی (مدیر حیات نو) ____________

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۲- محمد محفوظ خان فلاحی ____________

بھوپال

۳- محمد حسن حبیب فلاحی علیگ ____________

صدر نیپال مساجد کاؤنسل، ناظم جامعہ ضیاء العلوم نیپال

abufarismh@gmail.com

۳- صوفیہ خان فلاحی ____________

yasiratiq@gmail.com

۴- رویش کمار ____________

معروف صحافی وٹی وی اینکر

۵- ماسٹر شاہ عالم فلاحی ____________

استاد جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

۶- شمشاد حسین فلاحی ____________

ایڈیٹر ماہنامہ حجاب

۷- محمد اسامہ فلاحی ____________

ریسرچ اسکالر، پنجاب یونی ورسٹی

۸- ابوالاعلیٰ سید سبحانی ____________

صدر حلقہ، ایس آئی او دہلی

۹- ڈاکٹر ابوضیغم خان شارق ____________

میڈیکل آفیسر یونانی کمیونیٹی ہیلتھ سینٹر، بدھ گیا، بہار

zaigham.unani@gmail.com

۱۰- عبدالعزیز سلفی فلاحی ____________

۱۱- مصباح الباری فلاحی ____________

استاد جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ، یوپی

دعوت دین: بھارتی مسلمانوں کا واحد منشور

دعوت دین انسانیت کی سب سے عظیم خدمت ہے۔ تمام انبیاء کا دین جو'الاسلام' کی شکل میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا (المائدہ:۳)، وہ سارے انسانوں کی دنیوی واخروی سعادت وکامرانی کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی شقاوت یہ ہوگی کہ جس دین متین کے طفیل وہ جہنم سے نجات پاسکتے ہیں، اسے دیگر ملتوں: ہندوؤں، عیسائیوں، بودھوں، جینیوں اور سکھوں تک پہنچانے کی فکر ترک کردیں یا اس کام کو باد مخالف یا غیر مسلموں کی شدت پسندی، یا کسی موہوم خطرے کی وجہ سے موقوف کردیں۔ اس شہادت حق (قولی وعملی) کی گواہی تمام انبیاء نے دی ہے۔ خاتم النبیین، صحابہ کرام، تابعین عظام، علماء کرام، بزرگان دین اور اولیاء نے اس سنت کو اپنے اپنے خطوں میں جاری وساری رکھا۔ بھارت میں شہادت حق کا یہ مقدس فریضہ مبلغین اسلام، تجار کرام، صوفیاء عظام اور مسلم سلاطین نے تاریخ کے مختلف ادوار میں انجام دیا ہے، جس کا سلسلہ الحمدللہ ہنوز جاری ہے۔ عام مدارس، مکاتب اور مسالک کے دوش بدوش تحریک اسلامی نے دعوت دین کے کام کو اپنے زمانہ قیام (۱۹۴۱ء) سے ہی اپنی ترجیح اول قرار دیا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں تقسیم ملک کے بعد کے دستور اور پالیسی وپروگرام میں بھی اس کی ترجیحی حیثیت کو بحال رکھا گیا۔ اور اس ضمن میں ہندوستان کی اکثر زبانوں میں 'لسانِ قوم' کا اعتبار کرکے الحمدللہ خاطر خواہ لٹریچر فراہم کردیا گیا جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تحریک اسلامی کی بابت یہ بات ذہنوں میں متحضر رہنا چاہیے کہ یہ ایک بین الانسانی اور بین الاقوامی تحریک ہے۔ یہ کوئی مسلمانوں کی قومی تحریک نہیں ہے، چنانچہ اس کے پیش نظر مسلم وغیر مسلم، سب کی اصلاح وہدایت رہی ہے۔ اس کا ادراک یہ ہے کہ بھارت کے تمام انسان ایک ہی جہاز کے مسافر ہیں۔ جہاز کامیابی سے ہمکنار ہوگا تو سب بامراد ہوں گے۔

ملکی مسائل سے غفلت خود مسلمانوں کی دنیوی واخروی بربادی کا باعث ہوگی۔ دوسری طرف اس حقیقت سے نظریں چرانے کی ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے ملی مسائل اور ان کی پیچیدگیوں نے عام مسلمانوں اور وابستگان تحریک اسلام کو بھی غیر مسلموں کے لیے یکسو اور فارغ ہونے نہیں دیا ہے۔ تیسری طرف ان کی مجرمانہ غفلت اور اس میں مسلسل کوتاہی نے بطور خاص ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بدگمانیوں، تلخیوں اور

حریفانہ ذہنیت کو فروغ دیا ہے جس کی کھائی اپنی آخری گہرائی کو چھو رہی ہے، لیکن مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ الحمدللہ نئی صبح کے نمودار ہونے کا وقت آ گیا ہے! البتہ اس حقیقت کو ذہنوں میں بالکل واضح کر لینا چاہیے اور دوسروں پر بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ ملک عزیز بھارت کے انسانی مسائل جبھی حل ہو سکتے ہیں جب ہم قولاً و عملاً ثابت کر دیں کہ خالق کائنات کا دین ہی برحق ہے۔ وہ کمال علم و حکمت کا مخزن ہے۔ نفع و ضرر کا مالک ہے۔ پائدار امن و مساوات کا مجرب نسخہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔

دعوت دین کے کاموں میں بعض موہوم موانع و مشکلات نے مسلمانوں کو اس راہ میں پیش قدمی سے روک رکھا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن موانع اور مشکلات کو عذر بنا کر دعوت کے کام میں اغماض اور بے توجہی برتی جاتی ہے، حقیقت سے دور کا بھی ان کا واسطہ نہیں ہے۔ آج کے حالات، مکی دور سے شدید تر ہرگز نہیں ہیں۔ استہزاء، سب و شتم، طعن و تشنیع، پتھروں اور تلواروں کی جھنکار کی مثالیں برائے نام ہیں۔ اس کے برخلاف خود غیر مسلموں کی بھاری تعداد قرآن و سیرت کے اوراق کے مطالعہ کے لیے بے چین نظر آتی ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوتی ہے اور اپنا تعاون بھی پیش کرتی ہے۔ یہ دعوت حق کی تاثیر ہی تو ہے کہ بھارت کی زرخیز زمین کے لاکھوں انسانوں نے اسلام قبول کیا ہے اور جن کی نسلیں کروڑوں تک پہنچ چکی ہیں۔ برصغیر میں بیرونی وفود: مبلغین، تجار، صوفیا اور سلاطین کی کوششوں کے نتیجہ میں اس آبادی نے داعی، مفکر، مجدد، مدبر، عالم، مصنف، محدث، مفسر، فقیہ اور چوٹی کے افراد پیدا کیے ہیں۔ آج کا غیر مسلم ذہن اپنی سنسکرتی اور میتھالوجی سے خود پریشاں اور غیر مطمئن ہے، آج کی علمی و سائنسی ترقیات نے اسے نئے راہوں کا متلاشی بنا دیا ہے۔ وہ خود منوسمرتیوں کے اشلوکوں میں بھارت کا نونرمان نہیں دیکھ پا رہا ہے۔ آج خود برادران وطن کا ایک عظیم انبوہ ایک نئی صبح کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔ جو لوگ دعوت دین کے لیے عدم صلاحیت کا شکوہ کرتے ہیں، مولانا سید حامد علیؒ (۱۹۲۳ء-۱۹۹۳ء) نے انھیں ان الفاظ میں مطمئن کیا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اس کام کے لیے سب سے بڑی جس صلاحیت کی ضرورت ہے وہ پختہ یقین، جذب دروں، اور دعوت حق کے لیے والہانہ جنون ہے۔ افراد، دلائل سے زیادہ یقین محکم، سوز دروں اور للّٰہیت سے متاثر ہوتے ہیں اس کے بعد جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ ''صلاحیت'' نہیں ''صالحیت'' ہے۔ آج بھی جو لوگ اسلام کی خاطر اسلام کے آغوش میں آ رہے ہیں ان کی اکثریت دلائل سے زیادہ اچھے اور سچے مسلمانوں کے حسنِ کردار سے متاثر ہو کر آ رہی ہے۔ مولانا نے ۱۹۴۸ء کے بعد، بھارتی زبانوں میں اسلامی

لٹریچر کی تیاری کی تحسین کے ساتھ اپنا گلہ اور شکوہ ان الفاظ میں درج کیا ہے:

''تیس سال ہو گئے (تحریک اسلامی اور برادرانِ وطن، مطبوعہ ۱۹۷۸ء، ص: ۴۸) اگر ہم ہندی یا علاقائی زبانوں کو نہ سیکھ سکے تو اسے اپنی کوتاہی اور فرض ناشناسی کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے''۔

۶۷ رصفحات پر مشتمل دو روپے کے اس کتابچے میں ''نومسلموں'' کے مسائل کے ضمن میں ان کی شادی، بیاہ، تعلیم و تربیت، معاشرتی مسائل اور فریب دہی و بدکرداری، جیسے عنوانات پر چشم کشا نکات پیش کیے ہیں۔ اس عنوان کا مطالعہ کرکے مسلم سوسائٹی کی بے حسی اور بدکرداری کو دور کرنے میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہیے۔ ''طریق کار'' کی وضاحت کرتے ہوئے حقوق کی ادائیگی، اشتراک وتعاون، مطالعہ انسان، انداز گفتگو، اور مطالعہ کتب کی بحثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے ملاقات کرنے کے بعد ''دعوت اسلامی'' پہنچانے میں جلد بازی سے گریز کرنا چاہیے۔ غیر مسلم کے ذہن، جذبات اور نفسیات کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کرنا چاہیے۔ نرم گفتگو، محبت ودلسوزی اور حکمت سے لبریز بات کرنا چاہیے۔ ایک دم ایک ہی نشست میں یا پہلی ملاقات میں منوانے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ اسلام کے عقائد اور بنیادی تعلیمات کو تھوڑا تھوڑا پیش کرنا چاہیے اور مخاطب کی جانب سے اسلامی کتابوں کا مطالبہ ہو تو پہلے مختصر اور چھوٹی کتابیں دیجیے اور گفتگو سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ دی گئی کتابوں کو انھوں نے کتنا سمجھا۔ بناؤ بگاڑ، سلامتی کا راستہ اور رسالہ دینیات اور ان کے ترجمے مطالعہ کے لیے دینا مفید رہے گا''۔

قارئین کرام! ''بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً'' کے نبوی نصیحت نامہ پر عمل کرتے ہوئے کوشش کریں کہ ہر شخص کم از کم نصف درجن برادرانِ وطن تک دین کا پیغام پہنچا دے کہ معاصر اعداد وشمار کی رو سے یہی تعداد آپ کے حصے میں آتی ہے اور یہی بھارتی مسلمانوں کا سب سے ضروری مشترکہ منشور بھی ہے۔

ضیاء الدین ملک فلاحی
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
۱۵ر دسمبر ۲۰۱۹ء ۔ ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۴۴ء

افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۹۱۴ء-۱۹۸۱ء)

سورہ انبیاء

ظفر احمد الاثری

مرکزی مضمون: توحید و معاد، ان دونوں کو ماننے والوں کے لیے فلاح ہے۔ اور اس میں فلاح دنیوی کو ابھارا گیا ہے۔ [اقترب] بہت قریب ہوگیا، [للناس] مکذبین، [معرضون] عن القرآن. (آیت۱) اللہ جو ان سے محاسبہ کرنے والا ہے اور وہ وعدے جواب تک ہو رہے تھے وہ قریب آ چکے ہیں اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور دعوت قرآنی سے اعراض کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی شامت قریب آ پہنچی ہے۔ (آیت۲) معرض ہونے کی تصویر۔ [من ذکر] وہ حصہ جو انذار پر مشتمل ہے۔ [محدث] ہر اترنے والی آیت۔ [لاهية قلوبهم] عن المحاسبة. جب بھی اللہ کی طرف کوئی نئی قسم کی آیت اترتی ہے اور جو انذار پر مشتمل ہوتی ہے تو یہ مشرکین مکہ اسے سنتے ہیں اور سن کر کھیلتے ہیں۔ (آیت۳) اور اس دعوت کو روکنے کے لیے سازش کرتے ہیں اور اس کے خلاف نجویٰ کرتے ہیں۔ [اسروا النجوی] کا فاعل، الذین ظلموا ہے. یتکلمون] بینهم سراً۔ لیڈر حضرات عوام سے تنہائیوں میں کہتے ہیں کہ یہ تمہارے ہی جیسا انسان ہے، اس کے اندر کوئی دوسری خصوصیت نہیں ہے۔ جب بشر سے کام نہیں چلا تو کہا ھذا ساحر۔

اس ساحر کے پاس مت جاؤ۔ ورنہ یہ اپنی ساحری سے اپنے قریب کرلے گا۔ اور اپنے دین کا پیرو بنالے گا۔ اور تم اپنے آباء واجداد کے طریقہ مثلی کو ترک کر ڈالو گے۔ اس طرح سے تمہاری ناکامی اور بربادی ہوگی، لہٰذا اس بات کو مت سنو۔ جانتے جانتے ہرگز ایسا نہ کرنا۔ (آیت۴) میرا رب ان تمام باتوں کو جانتا ہے، جو یہ لوگ آپس میں کرتے ہیں۔ یعنی کس نے ہماری تصدیق کی ہے اور کس نے تکذیب کی ہے۔ وہ سننے والا ہے اور ظاہر و باطن کا علم رکھنے والا ہے تو فیصلہ میرے حق میں کرے گا، اگر میں نبی ہوں۔ (آیت۵) [بل] یاتی للترقی۔ انھوں نے آگے بڑھ کر یہ کہا کہ بشر کا مطلب یہ کہ محمد اقتدار چاہتا ہے۔ [اضغاث احلام] اس لحاظ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن تو ایک صحیح دعوت دیتا ہے کہ تم ایک الٰہ کی پوجا کرو، خالصۃً ایک ہی ہستی کی

پرستش کرو۔ دوسری طرف یہ عقیدہ ہے کہ پوجا تو بہت سوں کی ہوسکتی ہے اور تکذیب کے نتیجہ میں ہمیں برے انجام سے دوچار ہونا چاہئے، لیکن یہ حضرات تو روزانہ فاقہ کشی میں مبتلا ہیں۔ یہ علامت ہے کہ ہم خدائے تعالیٰ کے یہاں محبوب لوگ ہیں اور کمزور لوگ خدا کے مبغوض ہیں۔ شاعر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شاعر کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کر لیتا ہے اور دو قبیلوں کے درمیان لڑاتا رہتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، اسی طرح محمد ﷺ کر رہے ہیں۔ اور شعراء کا انجام ایسا ہوتا چلا آرہا ہے اسی بدانجامی سے محمد دوچار ہوں گے۔ پھر دوسرا مطالبہ کرتے ہیں اگر یہ تمام باتیں صحیح نہیں تو کوئی معجزہ سامنے لاؤ، جس طرح پہلے کے انبیاء لاتے رہے ہیں۔

(آیت ۶) ان کے معجزہ طلبی کا جواب دیا جا رہا ہے جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا تو وہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے معجزہ کا مطالبہ کیا تھا اور اسی کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیے گئے۔ معجزہ طلبی اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے کو نہیں۔ اب بشر ہونے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ (آیت ۷) تم یہود وغیرہ سے پوچھو کہ تمہارے انبیاء رجال تھے یا فرشتے تھے؟ کیا ہم نے انھیں ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا کھاتے ہوں، اب تم کہتے ہو کہ یہ شاعر ہے کچھ دنوں کے بعد ہلاک ہوجائے گا۔ (آیت ۸) [وما كانوا خالدين] تو پہلے کے انبیاءؑ بھی ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ بھی اس فانی عالم سے چلے گئے، اسی طرح محمد ﷺ بھی اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ (آیت ۹) ان کا بھی انداز پورا ہوگا۔ جس طرح پہلے پورا ہوا اور رسولوں کو نجات ملی اور ان کے ساتھیوں کو بھی۔ [من نشاء] مؤمنين] پہلے جتنی بھی قومیں تھیں ان تمام کو خدائے تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور رسولوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور یہی صورتحال اور یہی معاملہ اس نبی ساتھ ہونے والا ہے۔ اس میں مؤمنین اور محمد ﷺ کامیاب ہوں گے اور دعوت حق کا غلبہ ہو کر رہے گا اور قریش کے باطل نظریات خاک میں مل کر رہیں گے۔ (آیت ۱۰) ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے، جس کے اندر تمہارے لیے تذکرہ کا سامان ہے، کیا تم نہیں سوچتے کہ رسول جو انداز کر رہا ہے، وہ کس حد تک صحیح ہے۔ یہ سورہ محاسبہ کی سورہ ہے اور محاسبہ دنیوی ہوگا اور بعد میں آنے والی سورہ آخرت کے محاسبہ کے بارے میں ہے۔

(آیت ۱۱) جو ظالم بستیاں تھیں ان کو ہم نے توڑ موڑ کر رکھ دیا، انذار کیا جا رہا ہے کہ اے اہل عرب اس سے عبرت حاصل کرو، پھر اس کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو بااقتدار بنایا یعنی اہل ایمان بااقتدار ہوئے۔ (آیت ۱۲) [فلما] جب انہیں ہمارے عذاب کا یقین ہوگیا تو وہ سمجھ گئے کہ عذاب الٰہی آپہنچا، اب بچنے کی صورت نہیں ہے، عذاب الٰہی دیکھ کر بھاگ گئے تو ہم نے کہا کہ تم بھاگو نہیں۔ (آیت ۱۳) بلکہ [وارجعوا

الی النعم التی اترفتکم] جنھوں نے تمہیں ناشکرہ بنادیا تھا۔اوراپنی کوٹھیوں کی طرف لوٹو۔**لعلکم تؤاخذون لذالک کنتم کافرین و بطرین و غافلین عن آیات اللہ.** اورشرک کی پکڑ وہیں ہوتی ہے جہاں وہ آگ کا شعلہ بلند کرتے ہیں۔اورجس سرزمین کوکفر کے شعلے سے بھر دیتے ہیں زبان حال سے پوچھا جائے گا کیاان نعمتوں کی وجہ سے عذاب نہیں آیا۔(آیت۱۴) وہ کہیں گے ہم پر ویل ہو ہم تو ظالم تھے۔ یہ اس لیے کہیں گے تاکہ ہم نجات پاجائیں لیکن ایسانہیں ہوگا۔(آیت۱۵)**خمد الرجل، مات، ان کو مار ڈالیں گے۔**

[**فمازالت تلک دعواھم**] (آیت۱۶)ان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ یہ زمین وآسمان کچھ نہیں ہے اور بے مقصد پیدا کیا گیا۔اس پر کہا جارہا ہے کہ ہم نے لہوولعب کے لیے اس دنیا کو نہیں پیدا کیا ہے۔(آیت ۱۷)اگرلہوولعب کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے تخت کے پاس ایسا کر لیتے۔اپنے ہی پاس بنا کر کھیل لیتے۔اس لیے اس دنیا کو دل بہلانے کے لیے یہ نہیں بنایا۔[**ان کنا**] بیشک ہم اس پر قادر ہیں۔[**ان**] شرطیہ۔اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔(آیت۱۸)[**بل**] قبل محذوفیہ غیر سنجیدہ قسم کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کوایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہےاورانسان کوارادہ کی آزادی دی ہے۔جنت اور جہنم کی معرفت دی ہےاور یہ دنیاحق وباطل کی رزم گاہ ہےاور رسول ایسے ہی آتے رہے ہیں اوراس طرح رسول اور حق و باطل کے درمیان کشمکش ہوتی رہی ہے۔یہ اس لیے کہا جارہا ہے کہ انہوں نے رسول کوشاعر کہا تھا۔یہ فناء ہوجائے گا۔اسی لیے کہا جارہا ہے کہ یہ کارخانۂ عالم ایک مقصد کے لیے بنایا گیا ہےاورحق و باطل میں ٹکراؤ ہوگا۔حق کامیاب ہوگا، اور باطل ناکام ہوگا اورایسے تمام انبیاء کے ساتھ ہوتا رہا ہےاور محمدﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔وہ یہ کہتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد کوئی جزاوسزا اورانجام نہیں ہونے والا ہےاور یہ شاعر تھوڑے دنوں کے بعد ہلاک ہوجائے گا۔ [**ولکم الویل مما تصفون**] (آیت۱۹)اس پوری کائنات کا مقتدراعلی ایک ہستی ہے،تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔مشرکین مکہ جن کو پوجتے ہیں، ان کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ تم جن کوالہ بنائے رکھے ہو۔ان کا حال یہ ہے کہ وہ عبادت کرنے سے گھبراتے ہیں،عبادت کرتے کرتے اکتاتے نہیں۔**بل لا یزالون یعبدون اللہ وحدہ.** [**استحسر**] تھکنا۔(آیت۲۰) شبانہ روز وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔[**لایفترون**]

(آیت۲۲)اگراس زمین وآسمان میں دوالہ ہوتے تو زمین وآسمان فساد سے بھرجاتا، پس اللہ کی پاکی

بیان کرو، اللہ ہی پاک ہے، جو اقتدار کا مالک ہے اور وہ منزہ ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (آیت ۲۳) اقتدار کی تصویر۔ (آیت ۲۴) اگر اللہ کے علاوہ تم نے کوئی دوسرا الہ بنا رکھا ہے تو کوئی دلیل قاطع لاؤ، اگر آسمانی کتاب ہو اور اس میں درج ہو تو اس کو پیش کرو۔ [الحق] سے مراد التوحید. یہ قرآن مذکر ہے ان لوگوں کے لیے جو میرے ساتھ ہیں۔ یعنی جو اہل ایمان ہیں، ان کے لیے یہ قرآن ہے اور یہ ایسی تذکیر ہے جو میرے لیے اور مجھ سے پہلے لوگوں کی تذکیر ہے اور اس کتاب میں اہل کتاب کی کتاب ہے یعنی توحید کی باتیں ہیں۔ مشرکین مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ دونوں میں توحید ہے نہ کہ شرک۔ [**هذا كتابى من معنا، و هذا الكتاب من قبلى.**] یقولان قولاً واحداً و هو التوحید. ہمارے پاس عقلی، آسمانی اور کتابی دلیل ہے اور تمہارے پاس کچھ بھی دلیل نہیں ہے۔ سب میں ایک ہی مضمون ہے۔ **هذا تعليمى و تعليم القرآن. هذا التعليم من قبل.** (آیت ۲۵) توحید تمام رسولوں کی دعوت ہے اور یہی دعوت محمد ﷺ کی بھی ہے۔

(آیت ۲۶) ان کے عقیدہ کا تذکرہ [**الولد**] بیٹا، بیٹی۔ یہودیوں نے عزیر کو اور نصاریٰ نے عیسیٰؑ کو خدا بیٹا بنا رکھا تھا، نعوذ باللہ من ذالک۔ [**عباد مكرمون**] یہ معزز بندے ہیں، ہم نے ان کو طاقت بخشی ہے۔ (آیت ۲۷) جرأت کر کے کوئی بات کر دیں ایسا نہیں کرتے اور بغیر اذن کوئی بات نہیں کر سکتے اور ہر حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ (آیت ۲۸) **ايديهم، هم** کی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹتی ہے اور سارے انسان کی طرف، خدا کا علم محیط ہے، وہ ملائکہ کے بارے پورا علم رکھتا ہے۔ تو یہ لوگ کیسے گھپلے میں ڈال سکتے ہیں۔ نہ شافع کہنے کی ہمت کرے گا اور نہ مشفوع۔ اصل میں **الا لهم و ما خلفهم**، اللہ کے علم کے احاطہ کے لیے آیا ہے اور اگر سفارش کریں گے تو ان ہی کے بارے میں جو سچے مؤمن ہوں گے اور سفارش وہی لوگ کریں گے، جن کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی۔ [**وهم من خشية مشفقون**] صلحاء مؤمنین کے بارے میں وہ پسند کرے گا، ان ہی کے بارے میں سفارش کریں گے اور ظالم وطغاہ کے بارے میں سفارش نہیں کریں گے، اس لیے وہ اللہ کے جلال وعظمت کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں ان کی یہ حیثیت ہے اور تم ان کو شفعاء بنائے ہو۔ (آیت ۲۹) [**منهم**] کی ضمیر ''جن'' کی طرف جاتی ہے جو کوئی ان میں سے کوئی الہ ہونے کا دعوی کرے گا ہم اس کو جہنم میں ڈھکیل دیں گے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں، ان کو جو لوگوں یا جنوں کو الوہیت میں شریک کرتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن الہ کو سزا دیں گے اسی طرح ان کے پوجنے والوں کو سزا دیں گے۔ (آیت ۲۶۔۲۹) منفی طور پر توحید کا اثبات۔ (آیت ۳۰۔۳۲) مثبت طور پر توحید کا اثبات۔ (آیت ۳۰)

سوچنے پر ابھارا جارہا ہے۔خدا کی رحمت و رأفت پر غور نہیں کرتے ہیں کہ اس سے پہلے آسمان و زمین اس قابل نہیں تھے کہ ان سے فائدہ حاصل کیا جائے، لیکن اس کی مہربانی سے پانی بہایا۔

(آیت ۳۱) اور ہم نے زمین میں میخیں گاڑ دی ہیں اس لیے کہ زمین ان کو لے کر الٹ نہ جائے اور ہم نے انسانوں کے لیے زمین میں راستہ متعین کر دیا، جس پر وہ چل کر اپنی منزل پاتے ہیں۔ (آیت ۳۲) اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا لیکن خدا کی ان تمام رحمت و رأفت کی نشانیوں سے مشرکین مکہ اعراض کر رہے ہیں۔ (آیت ۳۳) اس کی رحمت یہیں تک محدود نہیں، بلکہ اس نے انسان کے لیے رات و دن بنائے۔ رات میں انسان آرام کرے اور دن میں خدا کی مرضی سے اپنی روزی کا انتظام کرے۔ [**والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون**] (آیت ۳۴) ہم نے کسی کو حیات جاودانی نہیں بخشی ہے۔ جتنے انسان ہیں بشمول انبیاءؑ سب کے سب اپنی زندگی تھوڑے ہی دن گزارنے کے لیے آئے۔ کوئی بھی ہمیشہ ہمیش کے لیے اس عالم اسباب میں قدم نہیں رکھتا ہے۔ [**و ما جعلنالبشر**] سے مراد انبیاء، اصل میں ان کا کہنا تھا کہ یہ تو بشر ہوتے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں اس فانی عالم سے چلے جائیں گے اور وہ اس بات کے متمنی رہتے تھے کہ یہ مر جائیں گے ظاہر ہے ان کے مرنے سے رسالت کا انکار کہاں سے لازم آتا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔ موت اور زندگی تو عام انسانوں کی خصوصیات میں داخل ہیں۔ اس کی وجہ سے انہیں ہنسنے کا کہاں سے موقع مل گیا۔ یہ تو انتہائی فضول سی بات ہے۔ نہ رسول کو خلود حاصل ہے اور نہ عوام کو۔ (آیت ۳۵) [**بالشر**] بری حالت۔ [**بالخیر**] اچھی حالت۔ ان دونوں صورتوں میں ہم انسان کو آزماتے ہیں۔ دنیا کا نقشہ اس طرح بنایا ہے کہ کچھ لوگ اچھی حالت میں ہوتے ہیں اور کچھ لوگ بری حالت میں ہوتے ہیں اور دونوں حالتوں میں مرنا ہے اور ہمارے پاس آنا ہے تو سوچنا چاہئے کہ ہمیں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اور ہمارے پاس انعام پانے کا کوئی جذبہ ان کے اندر موجزن نہیں ہوتا اور اپنی خوشحالی کو غالب ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اس میں امتحان ہے اور ہمارے پاس آنا ہے اور جواب دہی کرنا ہے۔ دراصل ان کے جو اعراض کی حالت ہے، اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔

(آیت ۳۶) [**ھزوا**] **بمعنی مھزوا.** انھوں نے نبی پر یہ فرد جرم عائد کیا ہے کہ یہی صاحب ہیں، جنھوں نے ہمارے الہ پر تنقید کی ہے اور نبی کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ (آیت ۳۷) نہ ماننے پر عذاب الٰہی کا نزول ہوگا۔ اصل میں یہ لوگ جلد بازی کر رہے ہیں۔ [**سأوریکم آیاتی فلا تستعجلون**] (آیت ۳۸)

اے مسلمانوں! تم کہتے ہو کہ قیامت آئے گی تو کب آئے گی؟ (آیت ۳۹) [حین] مفعول بہ۔ اگر 'اس وقت' کو کافرین جان لیتے، جس وقت وہ اپنے موہوں اور اپنے چہروں کو نہیں ہٹا سکتے ہیں تو وہ ایمان لے آتے۔ لیکن ابھی ان کے عقل میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔ [البھـــت] مبھوت کر دینا۔ (آیت ۴۰) بلکہ یہ حضرات اس انتظار میں ہیں کہ انہیں عذاب آ دبوچے اور اپنی گرفت میں لے لے۔ جو لوگ نبی کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب عذاب الٰہی ان پر آ دھمکے گا تو یہ مبہوت ہو کر رہ جائیں گے اور اس عذاب کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ اس طرح وہ ہلاک اور برباد کر دیے جائیں گے۔

(آیت ۴۱) تاریخی شہادت کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ اس سے پہلے کی قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اور برابر ایسا کرنے پر مصر رہے اور رسولوں کی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا تو ان پر عذاب الٰہی کا تازیانہ آ ترا اور وہ اہل بصیرت کی نگاہوں میں بس گئے اور وہ عبرت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ جب یہ سنت پہلوں میں رہی ہے تو تمہارے اندر جاری رہنے میں کیا مشکل ہے، کہنے کا مطلب بالکل واضح ہے کہ تم ایسا نہ کرو، ورنہ تمہیں بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا اور اللہ کے یہاں مبغوض بن کر رہ جاؤ گے۔ (آیت ۴۲) ان سے پوچھو تو ذرا کہ رات یا دن میں آنے والے عذاب سے تم کو کون نجات دے سکتا ہے۔ (آیت ۴۳) یہ اکڑ کس لیے ہے، یہ اعراض کس لیے ہے۔ کیا ان کے ہمارے علاوہ الہ ہیں، جو ہمارے عذاب سے انھیں بچالیں؟ [**لا یستطیعون**] اگر چہ انہوں نے اپنے طور پر من مانی الہ بنا رکھا ہے، لیکن وہ ان کی ذرہ برابر مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہمارے عذاب سے بچا سکتے ہیں۔ [**اصحب**] **فلاناً حفظه.** [**يصحبون**] **لا يحفظون منا، لا يجاورون منا. ما سبب اعراضهم، ان القرآن قاصر عن دلائله، بل سب اعراضهم** [**بل متعنا هؤلاء و آبائهم**] (آیت ۴۴) آخر ان کے اعراض عن القرآن کا کیا سبب ہے؟ اصل میں ہم نے ان کے آباء کو ایک لمبی مدت تک زندگی کی عیش وعشرت دے رکھی ہے، مدتہائے دراز سے یہ لوگ خوش حال ہیں اور ان پر کوئی ایسا دور نہیں گزرا ہے، جس کی وجہ سے تنگ حالی کے شکار ہوں۔ اگر اس کے برعکس ہوتا تو پھر ان کی اکڑ جاتی رہتی، اسی لیے یہ حضرات انذار سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ [**ناتی الارض**] **هم** زمین پر برابر آتے ہیں۔ یعنی سرکش قوموں کو ہلاک کرتے رہے ہیں اور ان کی سرکشی کا مزہ چکھاتے رہے ہیں، بہترین زمینوں سے بہترین قوموں کو زمین سے بے دخل کرتے رہے ہیں اور زمین کو گندگیوں سے پاک کرتے رہے

ہیں۔یعنی جن قوموں کے پاس ہمارے رسول آئے اورانہوں نے تکذیب کی تو ہم نے سادۃ الارض کو ہلاک کر دیا۔تو کیا یہ نہیں دیکھتے اوراس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔[طِرف] الکریم من الفتیان. زمین کے مختلف گوشوں کومختلف شکلوں میں بدلتے رہے ہیں۔کبھی خوشحالی آئی،کبھی تنگ حالی سے دوچار ہوئے اوراس کے تغیرات برابر ہوتے رہے اورکبھی ان پر مصیبت آئی۔جب سنت الٰہی اس طرح جاری رہی تو قریش مکہ پر اس طرح کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اورانہیں بھی اس زمین سے بےدخل کیا جا سکتا ہے اورانہیں تنگ حالی میں مبتلا کر کے ان کے اقتدار کا پانسہ بدلہ جا سکتا۔(مولانا مودودیؒ)(اس کی مزید تشریح سورہ انبیاء میں دیکھ سکتے ہیں:تفہیم القرآن جلدسوم حاشیہ ۴۵۔۴۶)(آیت ۴۵)اس انذار سے یہ لوگ کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

[نــفــحة]لہر(آیت ۴۶)عذاب کاایک جھونکااگرچل پڑےتوفوراً تائب ہوجائیں گے۔انہیں اس وقت احساس ہوجائے گا۔یہ لہر دنیا میں ہوگا،اس طرح یہ بےبس اورلاچار ہوجائیں گے۔(آیت ۴۸)تمام رسولوں کی یہی دعوت رہی ہے،جواس رسول کی ہےاورتمام رسولوں نے کامیابی کی منزل دیکھی۔اسی غرض کے لیےقصہ بیان ہوا ہے۔[فرقان] غلبه[الضیاء] تیزروشنی زندگی گزارنے کے لیےفرقان،الضیاء،ذکریہ تین لفظ غلبے کےاظہار کے لیےلائے گئے ہیں۔تورات آسمانی کتاب ہےاورغلبہ کی ضامن ہے۔ان متقین کو غلبہ دیااورغفلت سے دورکرنے والی نصیحتیں ہیں۔(آیت ۴۹)مؤمنین ہی اصل میں اس تعلیم کوحق جانتے ہیں،گرچہ انہوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے جہنم اور جنت کونہیں دیکھا ہےاوراس نازک گھڑی سےلرزاں و ترساں رہتے ہیں۔اس کتاب نے انہیں چونکا دیا ہےاورغفلت سے بیدارکردیا ہے۔(آیت ۵۰)

[انــکــر]نہ پہچاننا۔یہ کتاب تو جانی پہچانی ہے،پہلے سے چلی آرہی ہے۔تب بھی مشرکین مکہ اس سے انجان بنے جارہے ہیں۔(آیت ۵۱)ہم جانتے تھے کہ ابراہیم کو کتنا رشد چاہئے وہ کس درجے کا مستحق ہے۔یعنی ہم جانتے تھے کہ ابراہیم کوپیغمبر بنانا ہےاور یہ رسالت دیئے جانے کے مستحق ہیں۔[رُشــــــد] پیغمبری (آیت۵۲)ان کے اندر کیا صفات ہیں کہ تم ان سے چمٹے ہوئے ہو۔آخراس مورتی کو کیوں پوجتے ہو،جو بے بس ہے۔(آیت ۵۳)تو یہ کس بنیاد پر ایسا کرتے ہیں۔ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ہمارا دین ہےاور یہی ابراہیمی دین ہے۔(آیت ۵۴)ان کی دلیل کورد کردی جاتی ہےاورکہا جارہا ہے کہ تم گمرہی کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہو۔تمہارے آباء بھٹکے ہوئے تھے،انھوں نے اصل دین کوچھوڑکراپنی من مانی سے دوسراراستہ اختیارکرلیا

تھا۔ یہ تمہارا دعویٰ سرے سے غلط ہے۔(آیت ۵۵) ابراہیمؑ کی یہ تقریر آخری دور کی ہے۔اس وقت جس سرکشی میں مشرکین مکہ مبتلا ہیں، اسی طغیانی و سرکشی میں ابراہیم کی قوم تھی۔ان کی قوم نے کہا کہ یہ سنجیدہ بات کرتے ہو یا تماشہ بناتے ہو،انھوں نے کہا **لست من اللعٰبین بل جئت بالحق۔**

(آیت ۵۶) وہ اس کائنات کا رب ہے، وہی تمہارا بھی رب ہے،[انا] مزید اس پر خود گواہ ہوں کہ تمہارا الہ صرف ایک الہ ہے، اس لیے کہ ہر لمحہ میری زندگی کا اس پر گواہی دیتا ہے کہ آسمانی خدا ہی تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے۔اس کے اقتدار میں کسی کا شریک نہیں۔(آیت ۵۷) تمہاری صنم پرستی کے خلاف ایک تدبیر کروں گا۔یعنی ان تمام بتوں کو توڑ کر رکھ دوں گا۔اس سے یہ ثابت کر دوں گا کہ یہ تمہارے مصنوعی الہ اپنے اندر ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے اور کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔یہ ہماری عقلی دلیل ہوگی جو تمہارے بتوں کے خلاف اور تمہارے خلاف ایک طرز عمل ہوگا۔لیکن یہ اسوہ نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے،حضور نے ایسا نہیں کیا۔(عندالاستاذ)(آیت ۵۸) ان بتوں کو ٹکڑے اس لیے کروں گا تاکہ یہ حضرات کچھ سوچیں۔(آیت ۵۹) جب ان کی قوم خرافات سے لوٹ کر آگئی تو دیکھا کہ بتوں کی گت بنی ہوئی ہے اور سب کے سب گرے پڑے ہیں اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر کلھاڑا رکھا ہے۔یہ عجیب تماشہ ہے۔لوگوں نے تحقیق شروع کردی کہ آخر یہ کس کی حرکت ہے اور ان بتوں سے کس کی دشمنی ہے اور کون اس کی پرستش سے روکتا ہے اور اس کی خرابیاں بیان کرتا ہے۔(آیت ۶۰) اس طرح کی تحقیق سے پتہ چل گیا کہ ہماری ہی قوم میں ایک شخص ہے جو ان بتوں کی خرابیاں اور برائیاں بیان کرتا ہے۔ہونہ ہو یہ تمام اسی کی حرکت ہے اور اس کا نام ابراہیم ہے۔

(آیت ۶۱) دربار عام بلایا گیا، تاکہ لوگ اس سے پوچھ سکیں۔(آیت ۶۳) لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم کیا یہ تمہاری حرکت ہے اور تم نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔(آیت ۶۴) انھوں نے جواب دیا: ان میں کا جو سب سے بڑا ہے، اس سے پوچھو۔اس کی گردن پر تیشہ ہے۔اگر یہ الہ تم سے گفتگو کر سکتے ہیں تو ان سے اپنے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھو۔دراصل یہاں پر یہ باور کرانا چاہتے ہیں اور اس حقیقت کو ان کے سامنے کھولنا چاہتے ہیں کہ اس اندھی تقلید میں وہ غوطہ زن رہنا انسانی عقل و سمجھ سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں اور اس سے یہ پردہ اٹھانا چاہتے تھے کہ انا وجدنا آبائنا کا نعرہ لگا کر ان بتوں کی پرستش کرنا عقل انسانی سے کسی طرح میل نہیں کھاتا، اس لیے ان کی پرستش کرنا بالکل غلط اور بے سود ہے اور وہ کیسے الہ ہو سکتے ہیں، جن کے اندر

بولنے ہی کی صلاحیت نہ ہو۔ابراہیمؑ نے یہ بات ان کے سامنے رکھی کہ تم جس الہ کی عبادت میں سرگرداں ہو اوراس کے خلاف کسی کا سننے کو تیار نہیں تو سمجھ لو یہ تمہیں کچھ بھی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔جب ابراہیمؑ کی قوم نے اپنے نبی کی بات سنی اورتھوڑی دیر کے لیے حقیقت سناش ہوگئی اور کہنے لگی کہ ہم تو سچ میں ظالم ہیں۔ابراہیمؑ جو کچھ کہہ رہے ہیں، بالکل صحیح ہے۔اس لیے کہ یہ تو خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے تو ہماری قیامت کے دن کیا معاون اور مددگار بن سکتے ہیں۔

(آیت۶۶)قدرت سے عاجز ہیں،تب بھی تم ان کی پوجا و پرستش میں لگے رہتے ہو۔(آیت۶۷)تم پرتف ہے جسے الہ بنانا چاہئے،اسے تم لوگوں نے الہ نہیں بنایا اور جسے نہیں بنانا چاہئے،اسے تم سبھوں نے الہ بنادیا۔(آیت۶۹)اگر تیری خاصیت یہ تھی کہ تم چیزوں کوراکھ کردو تو تم آج گلزار بن جاؤ۔اوراپنی خاصیت بدل ڈالواورابراہیم کے لیے رحمت بن جاؤ۔(آیت۷۰)[اخسر]بالکل ناکام بنادیا۔انھوں نے یہ چاہاتھا کہ ہم ابراہیمؑ کوجلادیں گےاورراکھ راکھ کر کے انہیں پھونک ڈالیں گے،لیکن ان کی یہ خواہش بالکل ناکام ہوگئی اوران کی تدبیر ناکام ہوکر رہ گئی اورابراہیم کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔معلوم ایسا ہوتا کہ مشرکین مکہ کی مخالفت اپنے زوروں پر ہے اور حضور ﷺ کوختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں،لیکن اس قصے کو پیش نظر رکھ کر مکہ کے مؤمنین کوتسلی بہم پہنچائی جارہی ہے اورانہیں اس واقعہ کوسن کرایک غیر معمولی تسلی حاصل ہوگی۔

(آیت۷۱)اس طرح سے ہم نے ابراہیمؑ کونجات دی اوران کی تدبیر فیل ہوکر رہ گئی اوراسی طرح ہمارے دوسرے پیغمبرلوطؑ کونجات ملی۔(آیت۷۲)صالح ایک جامع لفظ ہےاوررسول بولنے کے بجائے صالح کالفظ استعمال کیا گیا ہے۔(آیت۷۳)اوررسولوں کوہم نے دنیا کاامام بنایا،جو ہمارے احکام کی پیروی بجالاتے تھے۔[**فعل الخیرات**]اونچے درجے کےاعمال۔اقامت صلوۃ،ایتاءالزکوۃ،فعل الخیرات کی وحی ہم نے کی تھی اور یہ تمام کے تمام ہمارے شکرگزار بندے تھےاور یہ تمام احکام کی پابندی کرتے تھےاورقوم کےلوگوں کوبتلاتے،عابدین اسی مفہوم کی وضاحت کے لیےآیا ہے۔[**ھم**]جویعقوب اوراسحاق کی اولاد اور جوان سے پھیلے۔[**حکماً**] [**علماً**]حکمت وعلم اونچی نبوت کوکہتے ہیں۔انسان کےاندرایک روشنی ہوتی ہے،جواعمال صالحہ کی طرف ڈھکیلتی ہےاورصحیح فیصلہ کراتی ہے۔**قال المالک الحکمة نور الله هی یلقی فی قلب المؤمن یدفع الی الاعمال الصالحات**.[**حکم**] آخری بشری درجہ۔اوراس بستی سےنجات دی جوبرے برےافعال کرتی تھی اوروہ بری قوم تھی اوراس کا شمارفاسقوں میں تھا۔(آیت۷۵)اوران کوہم

نے اپنی رحمت میں ڈال دیا۔یعنی رحمت کوانہوں نے پایااور وعدہ الٰہی پورا کیا گیااور صالحین میں سے تھے۔

(آیت۷۶) [و نصرنا نوحاً]اس سے پہلے ہم نے نوح کی مدد کی۔(۷۶)اس وقت مؤمنین مکہ جس دور سے گزر رہے ہیں وہ دور بہت ہی نازک ہے،مؤمنین کواس آیت سے تسلی مقصود ہے۔(آیت۷۷) اورنوح کو ہم نے ایک ایسی قوم سے نجات دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتی تھی، اس لیے وہ بری قوم تھی۔ [فاغرقناهم اجمعين]جب ہم نے دیکھا کہ یہ قوم برائیوں میں لت پت اور رسول کی تکذیب کی عادی ہوگئی اور ایمان لانے کونہیں ہے تو اپنے عذاب کے تازیانہ برسائے۔یعنی ان کی قوم ڈوب کر ہلاک و برباد ہوگئی۔ (آیت۷۸)وہ اس معاملے کو نہ چکا سکے تو ہم نے سلیمان کو معاملے کی سمجھ دی۔اور ہم نے تمام ہی کوعلم وحکمت سے بہرور کیا تھا۔اور ہم نے داؤد کے لیے پہاڑ کو مسخر کر دیا تھا۔(آیت۸۰)[بأس]قتال، [صنعة لبوس]اور ہم نے داؤدکوزرہ بنانے کاعلم دیا۔انہوں نے کپڑے کی طرح بڑی بڑی زرہ بنائی،جس سے نقل و حرکت میں آسانی ہواور قتال کے وقت کام آسکے۔ایک چیز اور ہوتی تھی جوزرہ کے نیچے پہنتے تھے،لوہے کی قمیص کا ذکر کرنا دراصل اللہ کی نعمت کوشمار کرنا ہے۔[عاصفة] اشتدت في هبوبها .ہم نے سلیمانؑ کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھااور وہ اس طرح تھی کہ جہاں کہیں کوئی بیڑا جانا ہوتا تو یہ اپنے دوش پر وقت متعینہ پر پہنچا دیتی،یعنی ہوا پر سلیمانؑ کا قبضہ تھا، یہ اللہ کی بڑی مہربانی تھی۔ [الارض التي باركنا] [و كنا بكل شئي عالمين] اور ہم شئی کو جانتے ہیں لہٰذا ہم جانتے تھے کہ سلیمان کتنے شاکر بندے ہیں اور کتنی نعمتوں کے حق دار اور مستحق ہیں۔

(آیت۸۲)اوران کے قبضے میں شریر جن تھے اوران سے موتی اور مونگا نکلواتے تھے اوراس کام کے علاوہ اور بہت سے کام تھے، جوشریر قسم کے جن انہیں انجام دیتے تھے اور پھر ہم ان کی نگرانی کرتے تھے کہ کہیں سلیمانؑ کے حکم سے سرتابی نہ کریں اور بغاوت نہ کر بیٹھیں۔[رحمنا ايوب و نصرنا ايوب]ہم نے ایوب کی پکار سنی جب انہوں نے ہمیں پکارا، پکار یہ تھی کہ اے اللہ ہمیں مصیبت لاحق ہوگئی ہے اور مصیبت کو تو ہی دور کرسکتا ہے،اس لیے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔یہ دعااس لیے کی تھی کہ کہیں اس آزمائش میں ان کے پاؤں لغزش میں نہ آجائیں اس طرح سے خدا کی نافرمانی سرزد نہ ہو جائے اور خدا کے مبغوض بندے نہ بن جائیں۔ (آیت۸۴)ہم نے ان کی اس پکار کو سنااور اس مصیبت سے نجات دی اور وہ اپنی بیماری سے شفایاب ہوگئے۔ اس دوران ان کے بیٹے پوتے مرگئے اس لیے خدائے تعالیٰ نے کہا ہم اسی کے مثل اولاد دیں گے اور یہ اس

لیے دیں گے کہ تم اس کے مستحق ہو۔(آیت ۸۵)اسماعیل،ادریس،ذوالکفل،تمام ہی صبر کرنے والے تھے۔

(آیت۸۶)ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا،بیشک وہ صالح لوگ تھے۔(آیت ۸۷) النون [الحوط]، السمک الکبیر. ہماری مرضی کے خلاف انہوں نے قوم سے فرار اختیار کیا اور ہمیں غصہ کیا۔ یعنی انہوں نے ہماری نافرمانی کی۔کوئی رسول یا پیغمبر اسی وقت ہجرت کرتا ہے، جب خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم آجائے۔[فظن]یہ عملاً پتہ چل رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ انہیں نہیں پاسکتا اور ہم اس کے قابو سے باہر ہوجائیں گے اور ہماری دعوت کو چھوڑ بیٹھا اور اس گمان میں کہ ہم اسے نہیں پا سکتے ہیں،آپ چونکہ نبی تھے اسی لیے ان کا دل بیدار تھا اس لیے انھوں نے فوراً مچھلی کے پیٹ کے اندر رہتے ہوئے پکارا۔ یہ پکارا کہ میرا سہارا تو ہی ہے۔ تیرے سوا کوئی دوسرا مالک وحاکم نہیں ہے۔[ظلمات]اس میں ہر طرح کی تاریکی تھی۔ (آیت۸۸)اور ہم نے اس کی پکار سنی اور اس مصیبت سے نجات دی۔اسی طرح ہم مؤمنین کو نجات دیں گے۔[ال] عھد ذہنی۔(آیت ۸۹) ذکریا کی ہم نے مدد کی اور اس کام کو سنبھالنے کے لیے ایک بیٹا عطا فرمایا۔(آیت۹۰)بیٹا عطاء کرنے کے لیے دعاء کی تو خدائے تعالیٰ نے اس کو بھی عطاء کیا۔[اصلحنا]ان کو بیوی دی۔یعنی دوسری بیوی دی۔ یا وہ بیوی بانجھ تھی،ان میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کی تا کہ بچہ پیدا ہو۔ یہ تمام کے تمام اونچے اونچے اعمال کی طرف لپکنے والے تھے۔

(آیت۹۱) [فرج] کمزور جگہ۔[التی عفت] جو بہت ہی عفیف و پاک دامن تھیں اور ان کے اندر ہم نے روح پھونک دی۔بغیر باپ کے بچہ پیدا کیا۔[روح]کے معنی زندگی کے ہیں۔[و جعلنا و ابنھا آیۃً للعالمین] (آیت۹۱) قدرت کی عظیم نشانی بنادی ہے۔ جو خدا ایسا کرسکتا ہے تو وہ دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔دونوں میں قیامت کی نشانی موجود ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے رحمت کا پہلو موجود ہے۔(آیت۹۲) یہ تمام لوگ جن کا ذکر ہوا تمام ہی ایک گروہ سے متعلق ہیں۔ایک ہی طرز کے لوگ ہیں، ایک پیغام کے پیغامبر ہیں۔[امۃً واحدۃً] حال واقع ہوا۔توحید تمام کا مشترک پیغام تھی۔سب اللہ کا قانون مانتے تھے۔(آیت۹۳) پس اس کے بعد لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں تقسیم کرلیا اور جو نبی ﷺ کی دعوت ہے، وہ تمام انبیاء کی دعوت کے موافق ہے۔اس سے تمام مذہب کے لوگ خفا ہیں۔اس لیے کہا گیا کہ سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور فیصلہ کرنا ہے کہ کون حق ہے اور کون باطل پرست ہے۔(آیت۹۴) جو ایمان لائیں گے اور صالح اعمال کریں گے تو ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی اور ان کی کوشش کو لکھ رہے ہیں۔

(آیت۹۵)[ھو حرام] ھو کی تفسیر انھم لا یرجعون ہے۔جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا تو ہم نے سمجھ لیا کہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔اس آیت کے تین مطالب ہیں۔(۱)ایک یہ کہ جس قوم پر ایک مرتبہ عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہو، وہ پھر کبھی نہیں اٹھ سکتی۔اس کی نشأ ۃ ثانیہ اور اس کی حیات نو ممکن نہیں۔(۲) دوسرے یہ کہ ہلاک ہو جانے کے بعد پھر اس دنیا میں اس کا پلٹنا اور اسے دوبارہ امتحان کا موقع دینا غیر ممکن ہے۔ھو حرام یہ مکہ والوں کی طرف اشارہ ہے۔یہ بستی جس کے بارے میں ہم نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا ہے، یہ بات حرام ہے کہ یہ لوگ ایمان لا سکیں اور حق کی طرف لوٹ سکیں۔(عندالاستاذ)[اھلکنا] ای اردنا انھم لا یرجعون الی الحق اوالی القرآن. کتنی ہی دلیلیں دو، یہ مانتے ہی نہیں۔چاہے وہ دلیلیں انفسی ہوں، کائناتی ہوں، یا تاریخی ہوں۔یہ دلیلیں ان کے نزدیک ہیچ ہیں۔دوسری طرف یہ کہو کہ سارے رسولوں کی یہی دعوت رہی ہے تو یہ کیوں نہیں سنتے ہیں۔

(آیت۹۶)لا یزالون یکذبون حتی فتحت یاجوج ماجوج. (یاجوج ماجوج کے بارے میں مولانا مودودیؒ کا خیال) یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد روس کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری، منگولی، ھن، اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشھور رہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے حملوں سے بچنے کے لئے قفقاز کے جنوبی علاقے میں دربند اور داریال کے استحکامات تعمیر کیے گئے تھے، لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن جلد سوم حاشیہ۶۲)[یاجوج و ماجوج] روس کی دو قومیں ہیں۔(عندالاستاذ) جب یہ سکندری کھل جائے گا تو یہ سیلاب کی طرح چلیں گے اور ہر اونچی زمین سے تیزی کے ساتھ چلیں گے۔(آیت۹۷) جب ان کا ظہور ہوگا تو قیامت کے ظہور کا دن بھی قریب ہو جائے گا۔ پس ان کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائے گی۔ہائے رے! ہماری کم بختی، بلاشبہ ہم اس سے غفلت میں تھے۔

[بل] کا مطلب یہ ہے کہ رسول نے ہم تک دعوت پہنچائی، لیکن ہم نے اسے ٹھکرا دیا اور اس کی تکذیب کی اور ہم ظالم ٹھرے۔یہ روش چھوڑو، لیکن یہ لوگ تکذیب کرتے رہیں گے۔

(آیت۹۸) توحید سے لڑنے والوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔یعنی یہ حضرات جہنم میں داخل ہوں گے اور جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔(آیت۹۹) ان کے الہ ملائکہ ہیں، لیکن یہاں ملائکہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ جن اگر یہ ان کے الہ ہوتے تو جہنم میں داخل نہیں ہوتے۔[کل من العابدین والمعبودین یحرقون فی

جهنم][زفیر] آہیں بھرنا۔(آیت۱۰۰) جہنم میں یہ لوگ آہیں بھریں گے ای یزفرون فی جهنم لیکن یہ آہیں کوئی نہیں سنے گا۔ وہاں ان کے بھائی بہن وغیرہ ہوں گے، لیکن کوئی بھی کسی دوسرے کی آہ نہیں سنے گا۔

(آیت۱۰۱) العاقبة الحسنی، الاعمال الحسنی. لیکن جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور خدا کی طرف سے انہیں اعمال صالحہ کرنے کی توفیق ملی اس لیے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ (آیت۱۰۲)[حسیس النار] ای صوت توقد النار۔فی اشتهت انفسهم۔حال ہے ای کائنین .[هم] مبتدا [خالدون] خبر(آیت۱۰۳) لا یفزعون من الفزع الاکبر لانهم کانو عابدین،و موحدین۔[و تتنزل الملائکة علیهم و تقول ، هذا یومکم الذی کنتم توعدون] دنیا میں ان کی بہترین زندگی کے بدلے ملائکہ خوشخبری دیں گے اور انہیں تسلی دیں گے۔ اس لیے کہ اس عالم آخرت میں مؤمن ہو یا کافر ہر شخص حیرانی اور پریشانی میں پڑا ہوگا۔ ہر شخص کو اپنی فکر ہوگی لہٰذا مؤمنین کو ملائکہ تسلی دیں گے اور جنت کی خوشخبری دیں گے۔(آیت۱۰۴) قیامت کے دن اس کارخانے کو لپیٹ دیں گے۔ یہ جو انتظامات قائم ہیں، اس دن سب ختم ہو جائیں گے، نظم عالم درہم برہم کر دیں گے۔ جس طرح رجسٹر تمام اوراق کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔[السجل] رجسٹر، طومار ہمارے حکم سے یہ کاروبار پھیلا ہوا ہے اور ہمارے حکم سے یہ درہم برہم ہو جائے گا۔ کما اتی فی سورةالزمر (٦٧)(آیت۱۰۵) مقدم آیت کی دلیل پیش کی جارہی ہے۔وعدنا وعداً باتیان القیامة واجباً ایفاء ه.انا کنا قادرین علی کل شئی قدیر، لذالک افعل هکذا. [ذکر] صحیفہ موسیٰ قال الفراهی المراد بالذکر التوراة. (آیت۱۰۵) نبی ﷺ کی بشارت۔قال الامام الفراهیؒ المراد بالارض" الجنة".[زبور] سبب ذکر الزبوران البشارة موجودة فیه ان النبی ﷺ یبعث. قال المودودیؒ المرادبارض الجنة. قال الاستاذ المراد بالارض، ارض مکة التی یحکم علیهاعبادالله لصالحین. مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو خوشخبری دی جارہی ہے اقتدار ملے گا، وہ تمہیں مل کر رہے گا۔[ذکر] المراد هنا، التوراة عند الاستاذ۔(آیت۱۰۵) خلافت الالٰہیہ قائم کریں گے۔ ارض سے مراد نبی کی زمین ہے۔[عبادی الصالحین] سے مراد نبی کے متبعین۔ چونکہ یہ قرآن حضور ﷺ پر آیا ہے اسی لیے ان کی تسلی اور ان کے صبر کے لیے یہ بات آئی ہے، اور چنانچہ یہ وعدہ ان کے حق میں پورا ہوا۔

(آیت۱۰٦) اس میں تسلی کا سامان ہے یہ کی مؤمنین جو اس وقت مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، ان کے

لیے تسلی اور صبر ہے۔[البلاغ]،اس مضمون کو کہتے ہیں جس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہ پڑے۔[**لقوم عابدین**] ای **مؤمنین**. (آیت ۱۰۷)اے نبی ہم نے تم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔(آیت ۱۰۸) میرے پاس وحی یہی آتی ہے کہ تمہارا الہ ایک ہی ہے،یعنی میرے پاس صحیح دعوت آتی ہے۔[**فهل انتم مسلمون**]**هذه جملة ترغيبية لكي ينيبوا الى الايمان** ۔(آیت ۱۰۹) **ان استمروا على اعراضهم فقل انا اطلعتكم على الصراط المستقيم و عليكم ان تؤمنوا**. (سورہ آل عمران ۶۴)[**على سواء**] **على طريق سواء**۔سیدھی راہ دکھایا۔اب دعوت کا دوسرا جزبیان کیا جارہا ہے اور جس کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں۔یعنی مجھے نہیں معلوم کہ قیامت کب آئے گی،آیا دو دن کے بعد یا ابھی آئے گی؟ ان تمام چیزوں کا علم خدا ہی کو ہے۔(آیت ۱۱۰) اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔وہ تمہارے تمام اعمال سے واقف ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔

الله محيط علماً. (آیت ۱۱۱)اور یہ تمہارے لیے آزمائش کا وقت ہے،چونکہ قیامت نہیں آرہی ہے اس لیے نبی کو جھٹلا رہے ہیں۔تو کہا گیا کہ یہ تو ان کے لیے مہلت کا وقت ہے، امہال کی مدت چل رہی ہے۔اس میں مشرکین مکہ کے لیے آزمائش ہے،ابھی ''حین''نہیں آیا ہے۔[**قال رب احكم بالحق**]یہ بات نبی اللہ سے کہتا ہے اور مشرکین مکہ سے بھی یہ بات کہی جارہی ہے۔**ربنا الرحمان المستعان على ما يصفون** ۔دیکھا جائے گا کہ ہماری مدد ہوگی یا تمہاری مدد ہوگی۔اگر نبی قوم سے مخاطب ہے ہوتا ہے دھمکی کے انداز میں ہوتا ہے۔(آیت ۱۰۹-۱۱۲)اگر معاد کو جھٹلاؤ گے تو قیامت آجائے گی۔[**لعله فتنة**] سے مراد امہال ہے اور یہ لوگ امہال کو تکذیب کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔انہیں سخت انداز میں ہدایت دی جارہی ہے۔

اسلامی اقدار پر مبنی نظام تعلیم : ایک عملی پلان

[جامعۃ الحکمہ کے اساتذہ ومعلمات کے ٹریننگ پروگرام میں پیش کی گئی تحریر]

محمد محفوظ خان فلاحی

تاریخ انسانی میں ایسا بار بار ہوا ہے کہ کوئی معاشرہ ہدایت ربانی سے محروم اور الٰہی ہدایت سے بے نیاز ہو جاتا ہو۔ سابق میں ایسا معاشرہ یا تو شرک کے توہماتی اور جہالت پر مبنی تصورات کے تحت وجود میں آتا تھا یا محرف مذاہب کے قائدین اور رہ نما اپنے مفادات اور مصنوعی اقدار کے مطابق اس معاشرے کو ایسا بنا لیتے تھے۔ انبیائی تاریخ کے آخر میں ایک بڑا تہذیبی معاشرہ ہدایت ربانی کی روشنی میں وجود پذیر ہو چکا ہے۔ اس معاشرے میں ایک متوازن نہج کے ساتھ انسان کی ضرورتوں اور احتیاجات کے پورے ہونے کے امکانات کو رکھا گیا۔ انسان کے وجود میں ایک حصہ نفس وروح اور وجدان ہے، اس کو پاکیزہ افکار وتصورات اور اعتقادات کی ضرورت ہے۔ اس کے وجود کا ایک دوسرا حصہ عقل وذہن اور ادراک ہے، اس کی غذا اور اس کے دائرہ کی تعیین ضروری ہے۔ اور انسانی وجود کا ایک ظاہری جسمانی ڈھانچہ ہے، جو اس کے بے شمار احسن اعضاء وجوارح پر مشتمل ہے۔

اسلام کی آمد کے بعد شرک کا نظام تو پسپا ہو گیا، لیکن قدرت الٰہی کے فیصلہ کے تحت اسے ختم تو ہونا نہیں تھا، لیکن اس کے لیے اب معاشرے میں کوئی رول ادا کرنا ممکن نہ رہا۔ یہودیت کا عملی رول تو پہلے ختم ہو چکا تھا، اب اسلام کی آمد کے ساتھ عیسائیت کا رول بھی ختم ہو گیا۔ پہلے تو نئی شریعت الٰہی نے اسے ایک رجیکٹیڈ اور رد کیا ہوا مذہب بنا دیا۔ اسی کے ساتھ اسلامی تہذیب کے طاقت ور اختلاط اور ٹکراؤ کے نتیجہ میں اور خود اپنے گھر یورپ میں ابھرنے والی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں نے اس کے رول کو معاشرے سے بے دخل کر دیا یا اس کے رول کو محدود تر کر دیا۔ لیکن یہاں سے جدید تاریخ اور جدید تہذیب نے ایک نیا ٹرن لیا۔ یورپی معاشرے کے سامنے ایک نیا چیلنج تھا۔ اس کی اپنی تہذیب انگڑائی لے کر تاریک دور سے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نئی ابھرتی تہذیب کو ایک بڑا فیصلہ لینا تھا یا طاقت ور اسلامی تہذیب کو اپنانا تھا یا رد شدہ مذہب عیسائیت کو چھوڑ

کر نئے فلسفوں اور نئے نظام کا ہالہ بنتا تھا۔ ظاہر ہے اسلام کو ایک فکر وعقیدہ کی حیثیت سے اور ایک کامل دین کے طور پر اپنانا کسی سادہ فیصلہ کے تحت نہیں ہوسکتا تھا۔ اپنے فائدہ کے لیے تہذیب اسلامی کے ایک حصہ کو لینا تو عام تہذیبی وتمدنی ضابطہ کے تحت آتا تھا۔ اس لیے انسانی ضرورت کی اس چیز کو لے لیا۔ اسلامی فکر وعقیدے اور عبادت کے حصہ کو الگ کر کے تہذیب اسلامی کے صرف علمی اور مادی پہلو کو جدید تہذیب سے پیچ کر دیا گیا۔ اب اپنی معاشرتی وتہذیبی زندگی میں جو خلا رہ گیا تھا، اس کے ادھورہ پن کا مداوا اس طرح کیا گیا کہ نفس وروح کا جو خانہ خالی رہ گیا تھا، اس کو پر کرنے کے لیے انفرادی دائرے میں عیسائیت کی ژولیدہ اور الجھی ہوئی فکر وعقیدہ کو اور انفرادی اخلاقیات کے ایک ضابطہ بند رول کو جاری رکھا گیا۔ اپنی ژولیدہ فکری اور بے روح عبادتی مراسم کو اخلاقیات عامہ کے پردے میں ڈھانکنے کی کوشش کی۔ اس میں دکھاوے کا معاملہ زیادہ رہا۔ ورنہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس اخلاقیات نے جدید انسان کے مظالم اور لوٹ کھسوٹ پر کبھی کوئی قدغن نہیں لگائی۔

اسلام اپنے اصل وجود میں بیک وقت عقیدہ نظریہ اور شریعت ونظام حیات ہے۔ اس نے انسانی زندگی کو الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عقیدہ وانفرادی عبادت کو الگ کر دیا گیا ہو اور اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہو اور سماج کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو انسانی تمدنی ارتقاء کے حوالہ کر دیا گیا ہو کہ انسان جیسا چاہے زمانے کے حساب سے اپنے آپ کو ڈھال لے یا جن انسانوں نے محنت کر کے ایسے اقدار اور فلسفے اور نظام کو گڑھ لیا ہو ان کے ساتھ ہو جائے یا ان کے بنائے نظام کا کارندہ بن کر محض معاون کا رول ادا کرے۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر یہ حقیقت مسلم اور اٹل ہے اور خدا کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ان فلسفوں اور ان نظاموں کے بیچ ہمیشہ ایک صحیح عقیدہ ونظریہ کو اور برحق نظام اور کامل شریعت کو اس کے بالمقابل باقی رہنا ہے۔ اس کے باوجود کہ لوگ لڑ کر اسے ختم کرنا چاہیں گے اور اس کے نابود ہو جانے کے سوا کسی چیز پر بھی راضی نہیں ہوں گے۔ اس صحیح عقیدہ ونظریہ اور اس برحق شریعت اور نظام حیات کی حامل یہ امت ہے۔ اب اسے خدا کی طرف سے آئے ہوئے اس عقیدہ ونظریہ اور اس شریعت ونظام حیات کا گواہ اور داعی بننا ہے اور اس کی اقامت کے لیے کوشاں ہونا ہے۔ یہ اس امت کی دائمی ذمہ داری ہے۔ اسی فہم کو منتقل کرنے کے لیے کئی توضیحی الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ قرآن میں وارد ہوئے ہیں۔ شہادت، دعوت، اقامت اور جہاد ہیں۔ کیا یہ الفاظ مہمل اور بے معنی ہیں؟ نہیں بلکہ یہ محکم اور بامعنی ہیں۔ اس کی تنسیخ یا تاویل کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ الفاظ کی تبدیلی تو ممکن نہیں ہوتی معانی اور مفاہیم کی تحریف ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے اس مفہوم کے کچھ حصہ پر آج خط تنسیخ پھیرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ درحقیقت ان الفاظ کے حقیقی معنی سمجھ لینے

کے بعد اب ہمارے لیے چوطرفہ کوشش اور جدوجہد کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

اب اسلام میں اگر رواداری، سماحت اور لا اکراہ ہے، تو اس کا ایک دائرہ اور موقع ومحل ہے۔ اس طرح کہ مؤمن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کافروں کے لیے سخت (اعزۃ) ہیں۔ حکم تو یہ بھی ہے کہ یہود، نصاریٰ اور کافروں کو دوست ورفیق (اولیاء) مت بناؤ۔ اسلام اور اہل اسلام اور باطل اور اہل باطل کے درمیان جو واضح لکیر کھینچی گئی تھی اس میں جدید فلسفوں نے اور نت نئی تاویلات نے کنفیوژن پیدا کر دیا ہے۔ ایک بات جو زبان زدعام ہے، وہ یہ کہ اسلام بھی دیگر ادیان ومذاہب میں سے ایک ہے۔ اس اعتبار سے زمانہ اس کا مخالف نہیں ہے۔ کیوں کہ سب کو اپنی بات پر عمل کرنے اور دوسروں کو بتانے کا حق یکساں درجہ میں کھلا ہوا ہے اور اسلام بھی **لا اکراہ** کے اصول سے اور **لکم دینکم ولی یدین** کے تحت اس کا حامی ہے۔ اب گویا حق اور ناحق کی بحث لا حاصل ہے۔ اب اس کو ماننے نہ ماننے کا اثر صرف محدود انفرادی زندگی سے ہے۔ اس توضیح میں تو اسلام کے واحد برحق دین ہونے کا موقف ہی غائب ہے۔ یہ دراصل ایک سوچی سمجھی کوشش ہے تاکہ اپنے ناحق اور باطل موقف کو حق کی زد سے بچایا جائے اور حق اور علم کی استدلال اور تاثیر کی کاٹ کو کند کیا جائے۔ حالانکہ حق کا ظہور ہی باطل کی نابودی کا پیغام ہوتا ہے۔ (**جاء الحق وزھق الباطل**) اب عیسائیت اس تیاری کے ساتھ اسلام کے مدمقابل ہے اور اس کی نقل میں حق کو پسپا ہوتا دیکھ کر شرک کے نظام نے بھی جارحانہ تیور دکھانا شروع کیے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اس صورت حال میں اسلام اور اہل اسلام کو چومکھی لڑائی لڑنا ہے، خواہ کافروں ومشرکوں ناگوار ہو۔

یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک طرف ظلم وفساد کے علم برداروں کی قیادت نے ہوائے نفس اور خواہش پرستی کو عیارانہ طریقے سے کچھ فلسفوں کا روپ دے دیا ہے۔ جس میں سیکولرزم یعنی الحاد اور لا دینیت سرفہرست ہے۔ اس کا کم سے کم اجماعی مفہوم تو یہ ہے ہی کہ دین ومذہب کے دائرے میں سماجی اور اجتماعی دائرے میں نہیں آتے۔ یہ بیانیہ سوچا سمجھا ہے کہ اس کی زد صرف دین اسلام پر پڑتی ہے اور اس سے کو ما میں گئے ہوئے مذاہب حتی شرک کو بھی تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس فلسفہ کے تحت سب سے معقول بیانیہ عقل مند اور تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف سے یہ سامنے آتا ہے کہ کسی اسکول میں نہ 'لب پہ آتی ہے'، ہو اور نہ 'وندے ماترم'۔ جارحانہ نیشنلزم اور فسطائیت سے لڑنے کے لیے اس وقت صرف ایک ہی بات کی گونج ہے کہ اجتماعی دائرے سے مذہب کی بے دخلی ہونا چاہئے، جس میں اسلام بھی ہے۔ یہ مقابلہ تو بہت چھوٹا اور شاید کسی حد تک وقتی ہے۔ میں تو اصلاً یہ کہہ رہا ہوں کہ معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے۔

اس سے زیادہ سنگین اور اہم بات یہ ہے کہ زمانہ کا عام ٹرینڈ یہ بنادیا گیا ہے کہ کسی غیر مرئی طاقت کو اس طرح ماننا کہ اپنی آزاد اور بے قید زندگی مقید اور محدود ہو جائے اور زندگی کی موج ومستی میں کچھ کھٹا س آجائے، نا قابل قبول ہے۔خصوصاً اس وقت جب کہ انسان کو اپنی تسخیری قوتوں پر حد سے بڑھا ہوا اعتماد حاصل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے خود ساختہ بنائے نظام میں آزاد اور بے قید شہوت رانی نہ صرف جائز بلکہ عین فطرت ہے اور حیوانی جبلت سے قریب تر ہے۔عیش پرستانہ زندگی گذارنے کے لیے کمائی اور لوٹ کے سارے طریقے جائز ہیں۔وسائل حیات کا آزادانہ حصول اور سہولیات اور مرافق حیات سے متمتع ہونے کی کلی آزادی ہے۔کہا تو یہ جارہا ہے کہ یہ سب کچھ ہر ایک کے لیے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کچھ بھی سب کے لیے نہیں ہے، بلکہ سب کچھ ایک محدود طبقہ کے لیے ہے۔وسائل سے بہرہ ور اس طبقہ کے سپورٹ کے لیے ہے ڈیموکریسی اور عوامی جمہوریت۔کلیت پسندانہ اور آمریت پسند طبقہ کے لیے بھی ڈیموکریسی سے بہتر کوئی تحفظ کی راہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جمہوریت کے دور اول میں دعوے اور عمل میں کچھ ہم آہنگی رہی ہو، لیکن بعد کی تاریخ اور ابھی قریب کی تاریخ تو اس بات کی شاہد ہے کہ آمروں اور طبقہ امراء کا تحفظ کرنے میں مسحور کن عوامی تماشہ جمہوریت کا رول سب سے زیادہ ہے۔

ایسے معاشرے کو ڈھالنے اور اسے باقی رکھنے نیز اسے اسی ڈھب پر چلانے کے لیے جو نظام تعلیم درکار ہے، وہ ہے موجودہ دور کا سیکولر نظام تعلیم۔اس میں نفس وروح اور وجدان کو پاک کرنے اور پاک رکھنے کے لیے فکر وعقیدہ اور اقدار کے جس صاف وشفاف حصہ کی ضرورت ہے اس کا زمانہ قائل ہی نہیں ہے۔کیوں کہ ایسی پاکیزہ سوچ رکھنے والے اور مضبوط کردار افراد کو ڈھالنا ان کے مادی مقاصد سے ہم آہنگ ہی نہیں۔یہ فطری کردار تو ان کے مقاصد میں حارج ہوسکتا ہے۔ان کا مطمح نظر تو ایک مصنوعی کردار ڈھالنا ہے، جو ان کی بچھائی بساط پر شطرنج کے مہروں کی طرح بس ان کی چال چلنے کے مطابق قدم بڑھاتا رہے۔جی ہاں یہی ہے آزادی یعنی بے قید آزادی یعنی فطرت سے ہٹ کر نام نہاد آزادی جس کے لیے صحیح ترین الفاظ ہیں محدود اور مقید دائرے میں کام کرنے کی مہارت۔اس کام کے لیے عقل وذہن اور ادراک کی تیزی بھی مطلوب ہے تو اس کے لیے انسانی ذہن نے سائنس وٹیکنالوجی کے علوم کو ڈولپ کرلیا ہے۔ان علوم کے ارتقاء میں مسلمانوں کا بھی بڑا کنٹری بیوشن ہے۔ان کو علمی اور فنی غذا فراہم کرنے کے لیے دریافت شدہ سائنسی علوم کو کام میں لایا جاتا ہے اور ٹیکنالوجی کی مہارت بھی حاصل کی جاتی ہے۔اس مفید علم کے سپورٹ سے ہی ان لوگوں کی زندگی میں

بڑی بہار آئی ہوئی ہے۔ یہ علوم ان کے مقاصد کے حصول میں بڑے پیمانہ پر معاون ہیں۔ اگر چہ یہ بات ذرا سخت ہے کہ یہ علوم اسلامی تہذیب کا سرقہ ہیں۔ لیکن اتنی بات تو یقینی طور پر درست ہے کہ یہ علوم مسلم سائنسدانوں کے نقد و جرح سے چھٹ کر اور چھن کر آگے پہنچے ہیں۔ یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ ہمارا روایتی تعلیمی نظام جو مدارس کی شکل میں اب بھی قائم چلا آ رہا ہے، وہ ان مفید علوم سے بالکلیہ محروم ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی یہ سیکولر نظام تعلیم کے بالمقابل اپنی کچھ خوبیوں کے ساتھ موجود ہے اور اتنے حصہ میں وہ ہمارے لیے آج بھی آئیڈیل ہے۔ اس وضاحت کے بعد سوال یہ ہے کہ: کیا سیکولر نظام تعلیم ایک ذمہ دار شہری بناتا اور ایک مثقف و مہذب انسان ڈھالتا ہے۔ یہ بات دعویٰ بلا دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مادیت اور مفاد پرستوں کی ایک فوج ہے جو دراصل اسی نظام تعلیم کے نتائج ہیں۔ دنیا اپنے سامنے اس کا نظارہ کر رہی ہے۔ ربانی ہدایت اور اخلاقی تعلیم سے محروم اور کسی بڑے افادی مقصد سے نا آشنا افراد ایسے ہی ہو سکتے ہیں، جس کا مشاہدہ دنیا کر رہی ہے۔

اسلام کی رہ نمائی کیا ہے۔ اسلامی معاشرہ کیا ہوتا ہے یا کیسا ہونا چاہئے؟ رب کائنات جس طرح بلاشرکت غیرے اپنا تکوینی نظام براہ راست سنبھالے ہوئے ہے، اسی طرح اس کی منشا یہ ہے کہ اس نے دوسری تمام اشیاء اور مخلوقات کے جلو میں کرہ ارض پر انسان کو ایک دولہا کی طرح یا میر محفل اور شاہ بزم بنا کر اتارا ہے۔ اب یہ انسان اس کے تشریعی احکام وضابطوں کا پابند بنے۔ لیکن یہ پابندی اس کی اپنی خود اختیاری ہو، یہی اس کی حکمت ہے۔ خالق کی نسبت سے انسان کے مخلوق ہونے کی حیثیت تو کامن ہے کہ جس طرح ساری مخلوق ہے، اسی طرح وہ ہے۔ اس کے الٰہ اور معبود ہونے کی حیثیت مسلم ہے تو اس اعتبار سے انسان کی ایک حیثیت عبد اور بندہ کی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے بندے اور خدا کا یہ رشتہ متعین ہے۔ آزمائش کی حکمت سے انسان کے لیے یہ اختیاری ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح مخلوقات میں انسان کی ایک حیثیت اور ہے اور وہ اسپیشل ہے۔ اسے کچھ اختیارات اور بڑھی ہوئی صلاحتیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے لیے قرآن کا دیا عنوان 'خلیفہ' ہے۔ یہ اس کی اسپیشل حیثیت ہے۔ اسے اس کی اس اسپیشل حیثیت ہی کی وجہ سے مختلف صلاحیتوں اور علوم وفنون سے لیس کیا گیا ہے۔ اس آزادی واختیار کے ہوتے اسے ہمیشہ یہ موقع رہے گا کہ وہ ان صلاحیتوں کو استعمال کر کے زمین کو فساد سے بھر دے گا۔ ایسا لازماً ہوگا اور ہوتا رہا ہے۔ اس کو روکنے اور صحیح ڈگر پر لانے کے لیے اور اس شر وفساد کا مقابلہ کرنے لیے خدا کی طرف سے ہدایت اور ان تمام امور سے متعلق رہ نمائی اترتی رہے گی، ایک گروہ اس ہدایت ربانی کا حامل ہوگا۔ دور آخر میں اس کاز کے لیے ایک منتخب گروہ

ہوگا۔اور یہ کہ وہ گروہ حزب اللہ ہوگا۔اللہ کی نصرت اس کے ساتھ ہوگی۔ یہ نصرت عمل کے ساتھ ہوتی ہے۔صحیح فہم کے ساتھ صحیح نہج پر کام کرنے والوں کی ساتھ ہوگی۔ بیٹھنے والوں، کسی کے انتظار میں رہنے والوں کے لیے نہیں کہ کوئی دوسرا ان کا کام کردے گا یا ان لوگوں کے لیے بھی نہیں جو اپنی ڈگر کو دوسروں کی راہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ یہ کامیابی صرف ان لوگوں کا مقدر ہوتی ہے، جو اپنی راہ پر ڈٹے رہتے ہیں اور مسلسل جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ایسے ایک گروہ کو اپنے مقاصد اور پلان پر قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیے جو نظام تعلیم ہوگا، وہ بالکل الگ ہوگا۔جس کا مقصد یہ ہوگا کہ معاشرے میں خیر اور معروف کو فروغ دینا ہے، جو فطرۃً ایک جانی پہچانی اور معروف چیز ہے اور شر، منکر اور باطل کو پسپا کرنا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلامی نظام تعلیم اپنے مقاصد، تعلیم اور تربیت کے اعتبار سے ایک وسیع دائرہ رکھنے والا نظام ہوگا۔جس میں روح ونفس اور وجدان کو پاکیزہ بنانے کے لیے صحیح فکر وعقیدہ، طہارت ونظافت اور سچی عبادت کی تعلیم کی ضرورت ہے۔اسلامی معاشرے یا امت کے ہر فرد کی یہ لازمی ضرورت ہے، جسے اس کے نظام تعلیم کا حصہ ہونا چاہیئے۔اعضاء وجوارح کے عمل کا ایک متعین دائرہ ہے، جس کی واضح ہدایات موجود ہیں۔اخلاقیات کے کچھ حصہ کی تو ہر سماج کو ضرورت ہے، لیکن اسلام میں اخلاقیات کے اس حصہ کا معاملہ بھی اضافی نہیں ہے، بلکہ تعیین الٰہی کی وجہ سے دائمی اور اٹل ہے اور ہر حال میں ناقابل تنسیخ ہے۔ اسلام میں امور ومعاملات کی انجام دہی اور حقوق وذمہ داریوں کی تقسیم عدل وقسط اور احسان کے اصول پر ہے اور متعین ہے۔ظلم وتعدی کسی حال میں قابل قبول نہیں۔عدل کے گواہ بن کر کھڑا ہونا ہے، خواہ یہ اپنے خلاف ہو یا اپنوں کے خلاف۔(یا ایها الزین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم او الوالدین ولاقربین)۔اللہ کی طرف سے بالقوی انسان کو سونپے ہوئے علوم وفنون جو با اختیار خلیفہ کو اللہ کی طرف سے دیے گئے ہیں۔اس کو بگڑے خلیفہ یا اس بار امانت کو نہ اٹھا پانے والے افراد فساد اور ظلم وزیادتی میں استعمال کررہے ہیں۔یہی تو فرشتوں کا استفسار تھا کہ اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء ۔فرشتوں کا قیاس ہو بہ ہو پورا ہونا ہی تھا، جو پورا ہو رہا ہے۔اس فساد کو مٹانے والوں کو جو مہم سرانجام دینا تھی، انہوں نے طاقت کے اس حصول کو اپنے پلان سے خارج کردیا ہے۔مادی وسائل کو تو قرآن نے 'باس شدید' کہا ہے۔کنارے کنارے اخلاق کی تاثیر سے اور دعوت سے منزل تک پہنچ جانے کا فلسفہ نہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے نہ تاریخ اس کے ثبوت کو بتا رہی ہے۔ثابت یہ کرنا ہے کہ ہمارے نظام تعلیم کا لازمی حصہ یہ علوم ہونا چاہیئے۔عقل وذہن اور ادراک کو طاقت ور بنانے اور گنجینہ علوم کے اس دفتر سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ

ضرورت اس بگڑے خلیفہ کے مقابلہ ہمیں ہے۔ خلافت کی ذمہ داری ہمیں نبھانا ہے۔ دنیا کو درست شاہ راہ پر لانے لیے اور ظلم وفساد کے علمبرداروں سے مقابلہ کرنے کے لیے۔ انسانوں کو سمجھانا بجھانا، ٹھیک کرنا، پسپا کرنا، باطل پرستوں کو نابود کرنا یا پسپا کرنا۔ یہ کام امت محمدیہ کے فرائض میں ہیں۔قرآنی اصطلاحات شہادت، دعوت، قیام عدل، اقامت اور جہاد کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہے۔ اگر امت مسلمہ کا یہ منصب باقی ہے اور دنیا میں من مانی کرنا اور ظلم وفساد باقی ہے تو قرآن کی یہ سب باتیں آج کے لیے بھی ویسی ہی درست ہیں، جیسے پہلے درست تھیں۔ بشرطیکہ ہم ذمہ داریوں سے فرار نہ اختیار کریں یا اس طرح پسپا نہ ہو جائیں کہ فساد، ظلم اور تعدی پھیلانے میں ان کے شریک وسہیم بن جائیں یا منتظرین کی فہرست میں شامل ہو جائیں کہ جب معرکہ ہو چکے گا تو آ جائیں گے۔ بنی اسرائیل سے وعدہ تھا کہ فاذا دخلتموہ فانکم غالبون۔یعنی اقدام کرو غلبہ ملے گا۔ بزبان وحی براہ راست انہیں فتح وغلبہ کی بشارت مل رہی تھی، لیکن ایمان اتنا کمزور تھا کہ انہوں نے کہا: ''بس تو آپ جائیں وعدہ پورا ہونے پر ہم آتے ہیں۔'' ہم سے بھی ہمہ آن صحیح نہج پر اپنی توانائیاں لگا دینے کا یقینی وعدہ ہے۔لیکن ہم تماشائیوں میں یا منتظرین میں رہنا چاہتے ہیں۔عمل واقدام اور اتنا ہمہ جہتی اقدام جس میں نفس وروح کی تربیت عقل وذہن کی تربیت اور اعضاء وجوارح کا عمل سب کچھ شامل ہو۔

سوالیہ انداز میں مَیں یہ بات رکھتا ہوں کہ کیا ہم ایسے اسکولس بنانا چاہ رہے ہیں یا ایک ایسا نظام تعلیم ڈولپ کرنا چاہ رہے ہیں، جو موجودہ قائم عسکری، انتظامی، عدالتی ومعاشی اداروں اور معاشرتی دائروں میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے سپورٹ کریں یا ان اداروں میں اپنی جگہ بنانے کو فخر اور تعلیم کا حاصل سمجھیں؟ اگر میری اس درازنفسی کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہو تو اوپر کی ساری گفتگو ایک لا حاصل مشق تھی۔ اس وقت اس گفتگو کا مقصد اپنی سوچ اور اپنے عمل کے رخ کو درست کرنا ہے۔ وسیع پس منظر میں ایک تعلیمی پلان کا مقصد اور نہج اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے، جو میں نے ابھی واضح کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امت وسیع پیمانہ پر پھیلے ہوئے افراد اور وسائل کی کثرت سے مالا مال ہے۔ ہم تو نسبتاً ایک ذرہ یا سمندر کا ایک قطرہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک ذرہ یا ایک قطرہ کیا اتنا بھی ہیچ ہے کہ کچھ نہ کرے یا کچھ بولے بھی نہیں؟ بس یوں سمجھئے ایک ذرہ یا ایک قطرہ بول پڑا۔ اب اگر یہ ذرات اور قطرات بڑھ جائیں تو پہاڑ بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں اور رواں سیلاب بن سکتے ہیں۔

اب ذرا اپنے قریبی پس منظر پر نظر ڈالیں۔ امت مسلمہ کی نسل کو اس وقت ہندوستان میں دیگر میدانوں کے علاوہ تعلیمی میدان میں کتنا شدید چیلنج درپیش ہے۔ شرک اور توہمات پر مبنی گورکھ دھندے کو براہ راست وسائل واقتدار پر قابض ہونے کا موقع ملا ہے۔ اس کے علم بردار رہ نماؤں کے پاس نسلی برتری اور اپنی قریب

تر برادری کو غلام بنانے کا خمار ان کی فکر وعقیدہ، تاریخ اور تہذیب کا حصہ ہے۔ اسلام کی لڑائی شرک سے، نسلی برتری کے تصور سے اور انسانوں کو غلام بنانے کے رویہ سے پہلے دن سے ہے اور دائمی ہے۔ بھاگنے والا ناکام رہتا ہے۔ ڈٹنے اور مقابلہ کرنے والا کامیاب ہوتا ہے۔ مقابلہ کا یہ حصہ جس میں اپنے فکر ونظر کے اسپلینیشن کا اور ظلم وتعدی پر جرح ونقد کا مقابلہ کے ابتدائی دور میں بھی باقی رہتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ سب کچھ ہمیں کرنا ہے۔ انہوں نے نیشنلزم کا اور تہذیبی اقدار کا حوالہ دے کر اپنے جارحانہ افکار وتصورات کو اقتدار ووسائل کے سہارے تھوپنا شروع کر دیا ہے۔ اب سیکولر طبقہ بھی اس جارحیت کی زد میں ہے۔ اس لیے جو لوگ صحیح اسلامی فکر وفہم کو سمجھنے سے قاصر ہیں، وہ پھر غلطیاں کر رہے ہیں۔ اسی لیے میں نے کنفیوژن پیدا کرنے والے جالوں کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ ہمیں اپنی راہ بھی تو دکھے۔ کب تک ہم موم بنے رہیں گے۔ ایک لوہے کا رول ہوتا ہے۔ لوہے کا ایک انفعالی یعنی Passive رول ہے، وہ ہے صلابت اور ٹھوس پن، وہ اس کا غیر منفک رول ہے۔ مسلمان کا ایک انفعالی رول ہے، ہر حال میں ڈٹنا ہے، نرم نہیں پڑنا ہے اور تیاری کے بعد کے مراحل سے ایکٹو رول تعلق ہے۔ ہم اپنے رول کو ادا کرنے کے مکلّف ہیں۔

کیا ہمارے ہاتھ اتنے تنگ ہو گئے ہیں، کیا ہمارا دائرہ اتنا سمٹ گیا ہے کہ ہم اپنی نسل نو کی تعلیمی پلاننگ بھی اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے اور کوئی پریشانی آئے تو اسے جھیل نہیں سکتے اور اس کے لیے لڑ نہیں سکتے؟ اگر اتنے بھی گئے گذرے ہیں تو پھر اپنی خیر منائیں اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ کیا ہم یہ چانس لیں گے؟ اگر نہیں تو پھر اب حفظ کے مدارس اور دینی مدارس ہمارے لیے بالکل کافی نہیں ہیں۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ہم یہ بات بھی ترغیب دینے والوں کو سمجھائیں کہ اتنا کافی نہیں ہے۔ امت کی نسل نو کو ہر طرف سے گھیر کر ایک جامع تعلیمی پلان سے جوڑیں، جس کا میں نے ابھی تعارف کرایا ہے اور ایسے ادارے اور اسکول کا ایک جال قائم کرنے میں سب جٹ جائیں۔ تاکہ آئندہ آنے والی ہماری پود ہماری طرف کھنچ آئے اور ان کی تعلیم وتربیت ہمارے ہاتھوں ہو۔

اب ہم بالکل قریب آ کر ایک ایسے تعلیمی پلان سے متعارف ہو رہے ہیں، جو ایک عرصہ سے جامعۃ الحکمہ کے عنوان سے جاری ہے۔ جس کے بارے میں ہمارے ایک بہت ہی محترم رفیق نے اس ادارے کو قریب سے دیکھنے کے بعد تبصرہ فرمایا تھا: ''اگر یہ ادارہ اس انداز سے ایک مرتبہ سیٹ ہو جائے تو لوگ اس کی کاپی کریں گے۔'' ایک دوسرے محترم رفیق نے پہلی بار اس کا خاکہ سن کر کہا: ''اب چلنے والا ماڈل یہی ہے، جامعۃ الفلاح کا ماڈل پرانا ہو گیا۔'' الحمدللہ بھوپال میں اس نہج پر تین اسکول قائم ہیں اور مدھیہ پردیش میں تین جگہوں پر اس

کی کاپی ہو رہی ہے۔ فالحمدللہ علی ذٰلک۔

جامعۃ الحکمہ کے عنوان سے اس تعلیمی پلان کو اب تقریباً ربع صدی ہونے کو ہے۔ میں 94 یا 95 میں بھوپال آیا تھا۔ اسی وقت سے انفرادی طور پر تعلیم کے کام میں لگ گیا تھا۔ با قاعدہ جامعۃ الحکمہ 97 میں قائم ہوا۔ یہ سلسلہ مسجد میں بیٹھ کر شروع ہوا۔ اس کا پہلا دور 2001 تک رہا۔ اس دوران طلبہ کی ایک ٹیم نے اس وقت کے اعتبار سے 5th کلاس کا بورڈ امتحان اچھے نمبرات سے پاس کیا تھا اور وہ کم وقت میں مدرسہ کی زیادہ تعلیم حاصل کر کے گئے اور بعد میں سب نے مدرسہ سسٹم سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ کچھ دنوں کے لیے 'بدھوارہ' میں ایک جگہ حاصل ہو گئی تھی، اس جگہ یہ ادارہ چلتا رہا۔ اس دور کے بعد کچھ خارجی حالات اور کچھ اندرونی حالات ایسے پیدا ہوئے کہ کام کرنے والوں کی ٹیم بھی نہیں بچی اور جو بچے تیار ہوئے تھے، وہ بھی سب کے سب مدرسہ چلے گئے۔ دوبارہ مدرسہ 'اتوارہ' کی مسجد میں آ گیا۔ 2001 سے 2007 تک سمٹ کر یہاں کام ہوتا رہا۔ یہ عبوری دور ہے۔ یہاں اسکول کی باقاعدہ تعلیم میں بریک آ گیا۔ مدرسہ کی تعلیم تو مکمل ہوئی اور اسکول کی جزوی رہی۔ اس دور میں دینی تعلیم و تربیت پر کافی زور رہا۔ تیسرا دور اس طرح شروع ہوا کہ للّی ٹاکیز کے پاس لیک ویو کے سامنے ایک جگہ لی گئی۔ اب کام کرنے والوں کی ٹیم جمع ہو گئی تھی، اسکول اور مدرسہ کے جامع پلان پر عمل شروع ہوا اور احاطہ منکشاۃ 2009 میں منتقلی کے ساتھ چلتا رہا۔ اس دوران پرائمری اور مڈل کے لیے خارجی بندوبست کر کے اسکول سرٹیفکٹ بھی دلوایا جا تا رہا۔ یہ دور 2007 سے 2011 تک چلا۔ اب 2012 میں کریسنٹ کی اولڈ بلڈنگ میں پہنچ کر باقاعدہ گورنمنٹ سے تسلیم شدہ اسکول 8th کلاس تک قائم ہوا۔ اسی کی توسیع اس طرح ہے کہ 2017 میں یہ تعلیمی پلان 12th تک ایل جی ایس وی آئی پی روڈ میں وجود میں آ گیا۔ جو مدرسہ مسجد میں باقی تھا اور اس کا نظام بھی مکمل تھا، وہ اب 2019 میں اردو میڈیم اسکول کی شکل اختیار کر گیا۔ اور ابھی قریب میں یہ تعلیمی پلان بھوپال سے باہر بھی اپنی کونپلیں نکال رہا ہے۔

بات ذرا دراز ہو گئی اور مختلف سمتوں میں پھیل گئی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اساتذہ و معلمات حق رکھتے ہیں کہ میں ان سے وہ سب کہوں جو مجھے کہنا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارا یہ تعلیمی پلان امت کی حقیقی ضرورت پورا کرنے والا بنے۔ آمین۔

اسلام میں انسانی اقدار اور اس کی اہمیت

[ایک تجزیاتی مطالعہ]

محمد حسن حبیب فلاحی علیگ

انسان ہونے کے ناطے دنیا کا ہر انسان قابل احترام انتہائی معزز ومکرم اور اشرف ہے۔اس حقیقت کا اعلان انسانوں کے خالق نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں فرمادیا ہے.ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً (الإسرا:۷۰)

اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

انسان ہونے کی حیثیت سے سارے انسان اللہ کی نظر میں محترم ہیں۔خالق جن وانس نے اپنے اس آفاقی منشور میں بنی آدم کی اصطلاح استعمال فرما کر عزت وتکریم کے دائرہ کو سارے انسانوں تک وسیع کر دیا اور بلا تفریق مذہب وملت اور بلا تمیز رنگ ونسل سب کے لیے ایک ہی منصب اور ایک ہی حیثیت کو ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔دوسری طرف سارے انسانوں کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دے کر جھوٹی اور خود ساختہ تفوق وبرتری اور تفاخر باہمی کی ساری دیواریں بھی ڈھادیں جو انسانیت کی تباہی کی موجب بنی ہوئی تھیں اور آج کی متمدن دنیا میں اس نے اور بھی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:۱۳)

(لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔)

اس کی روشنی میں انسان سب کے سب قابل تکریم ہیں اور اس تعلق سے جان و مال، عزت و آبرو وغیرہ کے تحفظ کی خاطر انسانوں کو جو اساسی ضروریات درکار ہیں، ان میں اللہ کے قانون میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ عمومی فضیلت و برتری، جس سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نوازا اور انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بنایا۔ بنیادی طور پر وہ تمام علوم عطا کیے، جو ان کے منصب و مقام اور عظمت کے لیے ضروری تھے اور جن سے فرشتے بھی نا آشنا تھے۔ تخلیق آدم کے واقعہ میں قرآن کے انداز بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ''یا آدمُ أنبِأهُم بِأسمَائِهِم'' کے ذریعہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے معلم ہونے کا اعزاز بھی بخشا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ مقام عطا فرمادیا، جس نے انسان کی عظمت میں چار چاند لگادیا۔ قرآن حکیم کے اس اعلان سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کا سب سے پہلا انسان اور سارے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور سب سے بڑھ کر معزز تھے۔ آغاز انسانیت کی یہ حقیقت ہے کہ انسان نے زندگی کا اپنا پہلا سفر علم کی روشنی میں شروع کیا تھا۔ وہ اندھیرے میں نہیں تھا، جیسا کہ تعلیمات الٰہی سے نا آشنا 'دانشوروں' کا گمان ہے۔ وہ مہذب و متمدن اور صاحب لباس تھا۔ اجڈ اور ننگا نہیں تھا۔ جیسا کہ آج کچھ نادان لوگ سمجھتے ہیں۔ آدم علیہ السلام اپنی تخلیق کے وقت فرشتوں کے مقابلے میں عبادت میں صفر ضرور تھے۔ لیکن علم و فضل کے لحاظ سے شرف و فضیلت رکھتے تھے۔ وہ جاہل نہیں تھے جیسا کہ آج کے 'روشن خیال' حضرات تصور کرتے ہیں۔

اسلام نے انسان کی عظمت اور اس کے مقام و منصب کے فطری تقاضہ کے تحت کچھ ایسے اصول اور ضوابط عطا کیے جو ان کے شایان شان ان کے سکون کا باعث اور ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مدد و معاون ہوں۔ یہی انسانی اقدار دراصل اسلامی اقدار اور (Human values) ہیں جو نہ صرف یہ کہ یہ کسی نہ کسی پہلو سے انسانوں کے لیے مفید ہیں، بلکہ ان میں سے بعض کی حیثیت انفرادی اور معاشرتی لحاظ سے فرض کے برابر ہو جاتی ہے اور اس پر صرف ظاہری و دنیاوی خیر سگالی ہی نہیں بلکہ حقیقی کامرانی کا انحصار ہوتا ہے۔ انسانی اقدار فی الحقیقت روح انسانیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کا وجود انسانیت کی حیات اور جن کا زوال انسانیت کا خاتمہ ہے۔ اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام نے انسانی اقدار کا کیا تصور دیا ہے۔ ذیل میں اہمیت و اولیت کے لحاظ سے ان اقدار کو حسب ذیل عناوین کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔

صداقت و دیانت

صداقت و دیانت اور سچائی و راست بازی اسلام کے پیش کردہ ان درخشاں اور تابناک اقدار میں سے

ہے، جس نے تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں فرد سے لے کر معاشرہ تک اور عبادت گاہوں سے لے کر تجارت کی منڈیوں تک میں ایک نا قابل فراموش انقلاب برپا کر دیا ہے۔صداقت و دیانت کا یہ جوہر اگر چہ کم وبیش تمام ادیان و مذاہب کی تعلیمات میں موجود ہے، مگر اسلام نے اس کی جتنی اہمیت دی ہے اور جس انداز میں اس کا حکم دیا ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ فرائض سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔جس طرح فرائض اور ارکان اسلام کی ادئیگی سے بے اعتنائی پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ٹھیک اسی طرح صداقت و دیانت کی خلاف ورزی اور جھوٹ کا راستہ اختیار کرنے پر بھی جہنم کی سزا کی خبر دی گئی ہے۔امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے کتاب الادب میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

إنَّ الصِّدقَ يَهدِى إلَى البِرِّ وإنَّ البِرَّ يَهدِى اِلَى الجَنةِ وإنَّ الرجلَ لَيَصدقُ حتى يكونَ صدِّيقًا وإن الكذبَ يَهدى اِلى الفُجورِ وإنَّ الفُجورَ يهدِى إلى النّارِ وإنَّ الرجلَ لَيكذِبُ حتى يُكتبَ عنداللهِ كذّابًا. (صحیح بخاری، کتاب الأدب)

یقیناً سچائی بھلائی تک پہونچاتی ہے اور بھلائی جنت تک لے جاتی ہے۔اور بلاشبہ آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک وہ سچوں میں شمار ہوتا ہے۔اور اس کے برعکس جھوٹ برائی اور گناہ تک لے جاتا ہے اور گناہ جہنم تک پہونچا دیتا ہے۔اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا شمار جھوٹوں میں ہونے لگتا ہے۔

امام بخاریؒ کی کتاب البیوع کی ایک دوسری روایت جو حکیم بن حزام کے حوالہ سے مروی ہے، اس میں تجارت و کاروبار کے میدان میں سچائی اور شفافیت کے اختیار کرنے پر برکت اور کاروبار میں افزونی کی بشارت سنائی گئی ہے اور جھوٹ اور دھوکہ کا انجام بے برکتی اور خسارہ بتایا گیا ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"... فإن صدَقا وبَيَّنَا بُورِكَ لهُما فى بَيعهِما وإن كَتَما وكَذِبَا مُحِقَت بَركةُ بَيعهِمَا." (صحیح بخاری، کتاب البیوع)

اگر دونوں شریک سچائی پر قائم رہیں اور شفافیت کے ساتھ معاملہ انجام دیں تو ان کی تجارت میں برکت ہوگی اور اگر ایک دوسرے سے کچھ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو تجارت کی ساری برکت ختم کر دی جائے گی۔

کاروبار اور خالص معاملات کے باب میں جن کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ یہ نہ تو کوئی عبادت ہی ہے اور نہ ہی دین سے اس کا کوئی تعلق ہے نیز اس میدان میں انسان آزاد ہے، جو چاہے کرے، رسول

اکرم ﷺ کا یہ فرمان ایک شمع تاباں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اہل خرد کے لیے ایک چیلنج ہے۔

خرید وفروخت کے میدان میں جہاں اشیاء تجارت کے عیوب کو چھپا کر فروخت کر لینا عقلمندی کا کمال تصور کیا جاتا ہے، اسلام میں نہایت ناپسندیدہ اور مذموم حرکت ہے۔ ایسا کرنے والے کو سنت رسول کا مخالف اور اصول کا باغی قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من غشنا فليس منا (صحیح مسلم، کتاب الایمان) یعنی جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اسی باب میں امام مسلم کی ایک دوسری روایت جس کی تخریج امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے کتاب البیوع میں بھی کی ہے 'غشنا' کے بجائے صرف 'غش' کا لفظ ہے۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس حکم کا دائرہ ہر مذہب وملت تک وسیع ہے اور کسی کے ساتھ بھی دھوکہ اور جھوٹ جائز نہیں ہے، خواہ صاحب معاملہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ اہل ادب جانتے ہیں کہ فرمان رسول میں 'غشنا' کے لفظ سے ایک شخص یہ استدلال کرسکتا تھا کہ اس حکم کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود ہے۔ اس لیے کہ 'نا' سے مراد اہل ایمان ہیں۔ اس وجہ سے خارج از ملت افراد اس حکم میں نہیں آتے۔ امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ کی مذکورہ دوسری روایت سے یہ غلط فہمی بھی ہمیشہ کے لیے زائل ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ یہ رویہ کسی حال میں اور کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے۔

دھوکہ اور فریب اپنی شناعت اور انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے منافقین کے بارے میں يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا کی صراحت فرما کر یہ بتادیا کہ نفاق ایک دھوکہ ہے اور دھوکہ بازی کرنے والوں کی سزا کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ سخت ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۱۴۵)

بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔

دھوکہ دینے والے اللہ کی نظر میں شر الخلائق اور بدترین لوگ ہیں۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب میں حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تجد من شر الناس يوم القيامة عندالله ذا الوجهين الذى يأتى هولاء بوجه وهولاء بوجه. (صحیح بخاری کتاب الادب)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے برے وہ لوگ ہوں گے جو دو چہرے والے ہوں گے۔ کچھ لوگوں سے دنیا میں ایک چہرے سے ملتے تھے اور کچھ لوگوں سے دوسرے چہرہ سے۔

ان توضیحات سے انسانوں کے ساتھ دھوکہ کی شناعت واضح ہوتی ہے۔تاریخ میں تو ایسی نمایاں مثالیں بھی موجود ہیں ،جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان تو انسان ،اسلام میں جانوروں تک کو بھی دھوکہ دینا ایک معیوب حرکت ہے اور یہ دیانت وثقاہت کے خلاف ہے۔مشہور واقعہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث رسول ﷺ کے فرمان کی تصدیق کے لیے دور دراز علاقہ کا سفر کیا اور فرمان رسول کے اخذ کرنے میں اس شخص کو نا قابل اعتبار قرار دے دیا، جو اپنے گھوڑے کو ایک خالی ٹوکری سے چارہ کا لالچ دے کر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔جس نظام حیات نے انسانوں کو اس قدر اعلیٰ ترین اقدار کا پابند بنایا ہے، وہ دین انسانوں کے لیے اس کی یا اس طرح کے اور دوسرے رزائل کی کیونکر اجازت دے سکتا ہے۔

حسن اخلاق اور حسن سلوک

انسانی اقدار کا ایک نہایت ابھرا ہوا پہلو ہے۔یوں تو ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کی حیثیت مسلم رہی ہے اور تمام مذہبی کتابوں میں اس کی تعلیمات موجود ہیں۔لیکن اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس کی تاکید کرتے ہوئے بلاتفریق مذہب وملت اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔حسن سلوک کی یہ نمایاں دفعہ شریعت اسلامی کا محض ایک اختیاری حکم نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے اس پہ عمل کرے اور جو چاہے اس کے خلاف طرز عمل اختیار کر لے اور کامیاب بھی ہو جائے۔اگر کوئی شخص حقیقی فلاح کا طالب ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک طرف اپنے رب کے حقوق کے تعلق سے حساس ہو تو دوسری طرف اللہ کے بندوں کے رتبہ اور مقام سے بھی آشنا ہو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا ہو۔بداخلاقی اور بدسلوکی اللہ کی نظر میں ایک نا قابل معافی جرم ہے۔ اپنی طاقت اور دولت ومنصب کے سبب کبر میں مبتلا ہو کر کسی کی تحقیر وتذلیل کرنا کسی کو گالی دے دینا یا کسی پہلو سے بھی کسی کی دل آزاری کرنا ایک ایسا گناہ ہے، جس کا نتیجہ جہنم ہے۔خواہ فرائض کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی چاق کیوں نہ رہا ہو۔اس تعلق سے رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کا حوالہ کافی ہوگا ،جس میں آپ ﷺ نے بدخلق ,بدزبان اور بداطوار اور حق نا شناس لوگوں کو جہنم کی وعید سناتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ ایسے لوگوں کو ان کی عبادتیں بھی جہنم کے عذاب سے بچا نہیں سکیں گی اور یہی لوگ میری امت کے قلاش اور مفلس ہیں۔حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أتـدورن مـن الـمـفـلـس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولامتاع فقال إن الـمـفـلـس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتي قدشتم هذا

وقذف هذا وأكل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته, فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ماعليه أخذمن خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے، جس کے پاس نہ درہم ہو نہ کوئی ساز وسامان۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لےکر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال غصب کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے اس کو دے دیا جائے گا اور اسی طرح دوسرے کو بھی دے دیا جائے گا۔ پھر سب کا بدلہ ادا کرنے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ پھر ان لوگوں کے گناہوں کو لے کر اس شخص کے اوپر لاد دیا جائے گا اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آپ نے دیکھا کہ ایک وہ شخص جن کی نمازوں، روزوں اور زکاۃ کی نیکیوں کے ذریعہ اللہ کی رحمت سے امید تھی کہ وہ اہل جنت میں شامل ہو سکتا تھا، انسانوں کے ساتھ غلط سلوک اور غلط کاری کے سبب وہ جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ العیاذ باللہ

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ارکان اسلام کی انجام دہی اور فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی صداقت وسچائی کا دامن چھوڑ دے تو ایسی عبادات بھی مقبول نہیں ہوتیں اور اس کی ساری کوششیں اکارت جاتی ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الحج میں ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے رسول ﷺ کا ایک فرمان نقل فرمایا ہے:

قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور)

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور ہر طرح کی بیہودہ باتوں اور فسق سے اجتناب کیا تو وہ شخص گناہوں سے ایسے پاک ہو کر لوٹتا ہے، جیسے اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہو۔

حج جیسی اہم ترین جسمانی اور مالی عبادت کے بدلہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بیہودہ باتوں اور غلط کاموں سے مجتنب رہا ہو۔ ورنہ حج اور اس جیسی دیگر عبادات بھی

اپنی معنویت کھودیتی ہیں۔مشہور محدث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں مغفرت میں صغائر اور کبائر گناہ سب کی مغفرت کو شامل بتایا ہے۔دوسرے مقام پر اس سے بھی سخت انداز میں روزہ کے تعلق سے ارشاد ہے:

مـن لـم يـدع قول الزور والعمل به والجهل فليس لله حاجة أن يدع طعامه وشرابه (صحیح بخاری کتاب الادب عن ابی ھریرۃ)

جس نے (روزہ کا اہتمام کر کے بھی) جھوٹی اور غلط بات کہنا، اس پر عمل کرنا اور جہالت نہیں چھوڑی، ایسے لوگوں سے اللہ کو کوئی مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پانی چھوڑے رکھے۔

معلوم ہوا کہ اسلام انسان کو جن اقدار کا حامل دیکھنا چاہتا ہے اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ ان کے بغیر اللہ کے ہاں عبادات بھی شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتیں۔

دنیا کے تمام رشتوں میں اسلام نے سب سے اہم رشتہ والدین کا قرار دیا اور بڑی تفصیل سے ان کے ساتھ حسن سلوک کے احکام بیان فرمائے اور ''وقضی ربک۔۔'' کے ایک ہی صیغہ اور ایک ہی انداز فرمان کے ساتھ شرک سے باز رہنے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم صادر فرما کر حسن سلوک کے مقام و مرتبہ کو ابد تک کے لیے ثبت کردیا۔تاکہ اہل ایمان اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرسکیں. یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان جملہ امور و معاملات میں اسلام نے مذہب وملت کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔بلکہ قرآن حکیم نے پوری صراحت کے ساتھ مشرک والدین کے لیے بھی حسن سلوک اور بھلائی کا حکم دیا. یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کو شرک کرنے پر اصرار کریں اور دباؤ ڈالیں تب بھی ان کی شرک اور معصیت کی بات تو نہیں مانی جائے گی البتہ حسن سلوک کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔ارشاد باری ہے:

وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوفاً وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُون (لقمان ۱۵)

اور اگر تم پر وہ دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرو، جسے تم جانتے نہیں تو تم ان کی بات ہرگز نہ مانو۔اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو۔(اس میں کسی طرح کی کمی کی اجازت نہیں ہے۔)

کفر پر اصرار کرنے والے والدین کے بارے میں حسن سلوک کا یہ تاکیدی حکم اس بات کا واضح

ثبوت ہے کہ دین وملت الگ ہونے کے باوجود انسانی اقدار کی جو اہمیت ہے وہ ہر حال میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی والدہ جو مشرکہ تھیں، اپنی بیٹی سے ملنے ان گھر آئیں. اسماء رضی اللہ عنہا کو تردد ہوا کہ وہ تو مشرکہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئیں ہیں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کیا میں ان کے ساتھ تعاون کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صلـــي أمک .یعنی اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری کتاب الہبۃ وفضلہا)

حسن سلوک کے ساتھ ساتھ ادب واحترام اور شفقت ومحبت کی اہمیت کو اسلام میں جو وسعت دی گئی ہے، اس نے انسانی سماج کو وہ اصول اور اساس فراہم کیے ہیں کہ ان بنیادوں پر قائم ہونے والا معاشرہ جنت نظیر معاشرہ بن جاتا ہے۔ اسلام میں اس کی خلاف ورزی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اور خلاف ورزی پر سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے پیار سماجی لحاظ سے ایک عام سی بات ہے۔ لوگ اس کو ایک اختیاری چیز سمجھ کر اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا انداز بیان اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ اس اصول کی خلاف ورزی اگرچہ دین سے خروج تو متصور نہ ہوگی، البتہ سیرت وسنت مصطفوی سے متضاد سمجھی جائے گی۔ چنانچہ آپ نے قدرے سخت لہجہ میں فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویعرف شرف کبیرنا (سنن الترمذی, کتاب البر والصلۃ)

جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا مقام ومرتبہ نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسی طرح پڑوسیوں کے تعلق سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی اور غلاظت گوئی اور بدزبانی پر جنت سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا:

واللـه لایـومن والله لایومن والله لایومن. قیل ومن یا رسول الله قال الذی لایأمن جاره بوائقه (صحیح بخاری, کتاب الأدب, عن ابی شریح)

بخدا وہ مومن نہیں ہوسکتا، بخدا وہ مومن نہیں ہوسکتا، بخدا وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ دریافت کیا گیا کہ کون یارسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا وہ جس کے شر اور جھک جھک سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو۔

واضح رہے کہ حدیث میں پڑوسی سے مراد صرف مسلم پڑوسی نہیں بلکہ اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں اور دونوں حسن خلق میں برابر کے حقدار ہیں۔ہم سایوں کے ساتھ حسن سلوک کی احادیث میں اس قدر تاکید آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان کو وراثت میں حصہ دار نہ بنا دیا جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه. (صحیح بخاری کتاب الأدب)

جبریل علیہ السلام مسلسل مجھے (ہمسایہ کے بارے میں) وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید ان کو وراثت کا بھی حق دے دیں گے۔

عدل وانصاف اور مساوات

یوں تو مذاہب عالم اور بین الاقوامی ضابطوں میں عدل ومساوات کو بڑی حد تک ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔خواہ وہ قدیم آسمانی مذاہب ہوں یا جدید افکار ونظریات۔ ہر دور میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے خلاف ظلم وعدوان اور زیادتی کو معیوب سمجھا گیا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ہر حال میں اس کی پاسداری اور التزام کا حکم دیا ہے۔اہل ایمان کو تاکید کی گئی ہے کہ اس کی خلاف ورزی اللہ کی ناراضگی کی موجب ہے۔فرمان الٰہی: إِنَّ اللّـهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاء ذِيْ الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. (النحل:۹۰) کے فرمان عام سے نوع انسانی کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم صادر فرما کر ظلم وناانصافی اور حق تلفی اور زیادتی کے دروازہ کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔اس عمومی حکم میں سارے لوگ شامل ہیں۔دوسرے مقام پر مزید توضیح فرماتے ہوئے اہل ایمان کو تاکیدی نصیحت کی گئی کہ عدل وانصاف کا تعلق صرف اپنوں سے نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل ہی کا رویہ اختیار کرنا ہے، جن سے تمہاری دشمنی ہو۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدۃ۸)

اے ایمان والو اللہ کے لیے راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ اور سنو کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو۔ یہی تقوی سے قریب تر ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" أي لايحملنكم بغض قوم على ترک العدل فيهم بل استعملوا العدل في كل أحد صديقا كان أو عدوا." (تفسیر ابن کثیر سورہ المائدہ)

یعنی کسی بھی قوم کے ساتھ تمہاری دشمنی تم کو عدل وانصاف کی راہ چھوڑنے پر آمادہ نہ کردے۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل کا رویہ اختیار کرو، خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن۔

علامہ ابن جریر الطبریؒ نے اپنی تفسیر میں اس کو مزید واضح کردیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ولا يحملنكم عداوة قوم على أن لاتعدلوا في حكمكم فيهم وسيرتكم بينهم فتجوروا عليهم من أجل ما بينكم وبينهم من العداوة ." (تفسیر الجامع لأحکام القرآن)

یعنی کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تمہارے اور ان کے بیچ جو دشمنی ہے، اس کے سبب ان کے درمیان اپنے فیصلہ کرنے میں انصاف کا دامن چھوڑ دو اور نیک برتاؤ نہ کرسکو اور ان پر زیادتی کرنے لگ جاؤ۔

آیت کریمہ میں خطاب اہل ایمان سے ہے اور حکم ان لوگوں کے تعلق سے ہے جو اہل ایمان نہیں ہیں اور اس کی بجا آوری کو عین تقوی قرار دیا گیا ہے۔ انسانی اقدار کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال پیش کیا جاسکتی ہے۔ اس طرح کی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

عہد جاہلی اور قدیم مذاہب میں بے قید وبند اور لاتعداد عورتوں سے شادیاں کرنے نیز ان کے ساتھ ظلم و ناانصافی کا جو عام رواج تھا، اس پر قدغن لگاتے ہوئے اسلام نے زیادہ سے زیادہ اس کو چار کی تعداد سے کر دیا، لیکن اس کا جواز بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف کا رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ اگر عدل قائم نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں یہ حق بھی حاصل نہ ہوگا۔ پھر تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی جانب سے جو بے اعتدالیاں سرزد ہوتی ہیں، ان کے منفی اثرات غیر مسلم سماج پر پڑتے ہیں۔ جس کے سبب اسلام کا قانون تعدد ازدواج کو بدنام کیا جاتا ہے اور خود مسلم سماج بھی اس کے ثمرات سے

محروم ہو جاتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس تعلق سے اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا (النساء۳)

اور تمہیں خدشہ ہو کہ تم یتیموں کے درمیان عدل قائم نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہاری ملکیت میں آئی ہیں۔ یہ اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔

عورتوں کے ساتھ عدل وانصاف کو مزید موکد کرتے ہوئے مردوں کی طرح عورتوں کا بھی باپ کی جائداد میں حصہ مقرر فرمایا اور اس کے ساتھ ہی شوہر کی جائداد میں بھی بیوی کا حصہ متعین کر کے عورتوں کو مالکانہ حق عطا کیا۔ مزید برآں مالیات سے متعلق ساری ذمہ داریوں کا مکلّف مرد کو بنایا۔ ارشاد ہے:

يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ (النساء۱۱)

تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُواْ اللّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (النساء۳۲)

جو کچھ مردوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق انکا حصہ۔ اور اللہ سے اس کے فضل کی دعا کرتے رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو اسلام میں حق مساوات ہی نہیں اولویت اور مردوں پر برتری حاصل ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ ایک صحابی نے ایک بار آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ:

من أحق الناس بحسن صحابتي. فال أمک قال ثم من قال أمک قال ثم

من قال أمک. قال ثم من قال أبوک (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ)

میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ۔اس نے پھر پوچھا ان کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔اس نے پھر پوچھا: ان کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ چوتھی بار اس نے پھر پوچھا: ان کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے والد۔

عورت کی اصل حیثیت اور مقام کو باقی رکھتے ہوئے اسلام نے اس کو جو مقام دیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اس سے بہتر کا کوئی تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

اس تعلق سے کتاب النکاح کے ارکان نکاح میں فلسفہ ایجاب وقبول کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان لوگوں کو بطور خاص بڑی حیرت ہوگی جو عورتوں کے بارے میں اسلام پر زیادتیوں کا الزام عائد کرتے رہتے ہیں اور یہ پہلو بہت اہم معلوم ہوگا کہ شریعت نے نکاح کا پہلا حق عورت ہی کو دیا ہے کہ قاضی سب سے پہلے اس کی رائے لے گا اور اس کی رضامندی اور ایجاب کے بغیر اس کو مرد کی زوجیت میں نہیں دے سکتا۔

عفوودرگذر

عفوودرگذر اسلام کے ان اعلیٰ انسانی اقدار میں سے ہے، جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔قرآن میں اہل تقوی کو جنت کی بشارت سنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل تقوی کی بعض اہم صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ذیل کی آیت کا بغور مطالعہ کریں:

الَّـذِيْـنَ يُـنفِقُونَ فِيُ السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۴)

جنت کا وعدہ اللہ نے ایسے متقیوں سے فرمایا ہے، جو خوشحالی اور تنگ دستی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ ایسے نیکوکاروں کو پسند فرماتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْن (أعراف ۱۹۹)

اے نبی ﷺ نرمی ودرگذر کا طریقہ اختیار کرو۔معروف کی تلقین کرو اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عفو میں یہ بات داخل ہے کہ آدمی ہر طرح کے تشدد سے اجتناب کرے اور انسانوں کے ساتھ خوش گوار اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔(مفاتیح الغیب للامام فخر الدین الرازیؒ)

کتاب الصلح میں امام بخاریؒ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔حضرت انسؓ کی پھوپھی ربیعؓ سے باہم جھگڑے میں ایک لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا۔معاملہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور لوگوں نے قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے کتاب اللہ کے مطابق قصاص کا فیصلہ تو فرمادیا،لیکن حضرت انسؓ کے اصرار پر لوگوں نے معاف کردیا۔اللہ کے رسول ﷺ اس پر بہت خوش ہوئے اور حضرت انسؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره (صحیح بخاری کتاب الصلح)

اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔

عفو ودرگذر کو رسول اکرم ﷺ نے شرف وعزت اور اللہ کی جانب سے سربلندی عطا ہونے کا ذریعہ بتایا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مانقصت صدقة من مال ومازاد الله عبدا بعفو إلاعزا وما تواضع أحد لله إلارفعه الله (صحیح مسلم،کتاب البر والصلۃ والآداب،باب استحباب العفو والتواضع)

صدقہ سے مال میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے اور عفو ودرگذر کے سبب اللہ اپنے بندہ کی عزت میں افزونی فرماتا ہے۔

ہمدردی ورواداری

اسلام نے اہل ایمان کو اپنے ہم نشینوں اور ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔قرآن وسنت میں اس بارے میں واضح تعلیمات اور ہدایات اور احکام موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی مومن کسی کی دل آزاری کا سبب بنے اور دانستہ طور پر اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کو اپنی زبان یا اپنے کسی عمل سے ایذا پہنچائے۔اسلام نے خالص توحید کے علم برداروں

کو بھی مشرکین اور کفار کے خداؤں کے لیے ایسے الفاظ اور جملوں کے استعمال سے منع فرمادیا ہے، جس سے اہل شرک کی دل آزاری ہو اور پھر وہ ردعمل میں آکر غیر مناسب حرکتیں کر بیٹھیں۔ ارشاد باری ہے:

وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام۱۰۸)

اور (اے اہل ایمان) اللہ کے علاوہ جن کو یہ پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرک سے آگے بڑھ جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

آیت کریمہ میں جہاں ایک طرف اللہ واحد کے شان الوہیت اور عظمت وتقدس کے تعلق سے اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی کسی غیر حکیمانہ عمل سے اللہ تعالی کے شان میں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے۔ وہیں دوسری طرف اہل کفر کے جذبات واحساسات کی رعایت کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ اس تعلق سے قرآن حکیم میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ایک منشور اسلامی کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہاں حیات رسول ﷺ کا ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جسے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الجنائز میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ راوی فرماتے ہیں:

مر بنا جنازة فقام لها النبی ﷺ وقمنا به فقلنا: يا رسول الله إنها جنازة يهودي قال إذا رأيتم الجنازة فقوموا . (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ سامنے سے ایک جنازہ گذرا۔ آپ ﷺ دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں فقال 'الیست نفسا' کا اضافہ ہے یعنی یہودی ہے تو کیا ہوا کیا وہ ایک انسان نہیں ہے؟ اس واقعہ سے غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کی رواداری اور رعایت کا مزید اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے غیر مسلم کی عیادت اس کے جنازہ میں شرکت اور اس کے انتقال پر اس کے اہل خانہ سے تعزیت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ امام احمدؒ نے مسند احمد میں حضرت انسؓ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنونجار کے ایک آدمی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور مزاج پرسی کے بعد آپ نے اس کو اسلام کی دعوت بھی دی۔ امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کا واقعہ نقل کیا ہے، جو

بہت مشہور ہے۔ آپ ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور مزاج پرسی کے بعد اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ ائمہ اور فقہاء عظام سے بھی غیر مسلم یہودی اور نصرانی کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کی سیرت میں درج ہے کہ ایک نصرانی کے انتقال پر انہوں نے اس کے بھائی سے مل کر تعزیت کی اور صبر کی تلقین کی۔

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب بیمار ہوئے تو آپ نے ان کی عیادت کی اور جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے والد کی تکفین کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، کتاب الجنائز)

رسول اللہ ﷺ اور عہد صحابہ میں غیر مسلم اقرباء کے ہاں تحفے بھجوانے کا ثبوت بھی کتب سیرت میں موجود ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ خیر سگالی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

اسلام نے کسی کی دل آزاری کو سخت ناپسند کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس بات کا تاکیدی حکم دیا ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کریں۔ قرآن وسنت میں اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ امام ترمذیؒ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل فرمان نقل فرمایا ہے، جس میں آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو مخاطب فرماتے ہوئے توحید خالص، ارکان اسلام اور صدقہ وتہجد کی فضیلت اور تاکید کے بعد فرمایا:

ألا أخبرک بملاک ذلک کله قلت بلى يا رسول الله فأخذ بلسانه وقال کف عليک هذا فقلت يا رسول الله وانا لمواخذون بما نتكلم به فقال ثكلتک أمک يا معاذ وهل يكب الناس في النار على وجوههم أو على مناخرهم الا حصائد ألسنتهم (سنن ترمذی، کتاب الایمان، حدیث حسن صحیح)

کیا ان ساری باتوں کا جس چیز پر دارومدار ہے، اس کے بارے میں تم کو بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تمہاری زبان ہے۔ پھر آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کو اپنے قابو میں رکھو۔ لوگ اپنی زبان کی بڑبڑ ہی کی وجہ سے ہی اپنے مونہوں کے بل جہنم میں جائیں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ایک توضیح کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن شر الناس منزلة عندالله من تركه أو ودعه الناس اتقاء فحشه (صحیح

بخاری ،کتاب الادب ،باب المداراۃ مع الناس)

یعنی اللہ کے نزدیک بدترین مقام اس شخص کا ہوگا ،جس کی بدزبانی اورفحش کلامی کے ڈر سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کے کسی کے بارے میں مشورہ طلب کرنے پر اگرفرد متعلق کے تعلق سے قطعی واقفیت حاصل ہوتو خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ ان کے کمزور پہلوکوبھی مشورہ طلب کرنے والے کے سامنے واضح کردیا جائے تاکہ وہ صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے۔سیرت رسول سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔عہد رسالت کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابیہ فاطمہ بنت قیسؓ کو حضرت معاویہؓ اورحضرت ابوالجہمؓ نے نکاح کا پیغام دیا۔انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا

أما أبو جهم فرجل لايرفع عصاه عن النساء وأما معاوية فصعلوک لا مال له
(سنن الترمذی: کتاب النکاح)

ابوالجہمؓ کی عادت ہے کہ بیویوں کو مارتے پیٹتے ہیں اورمعاویہ تو مفلس ہیں،ان کے پاس پیسے نہیں ہیں (اب تم سوچ لو)۔

آج کی متمدن دنیا میں انسانی اقدار سے لاپروا ہوکر بے قابو زبان وبیان اور بے لگام میڈیا نے ایک دوسرے کی دل آزاری اورالزام تراشی کا جو طوفان برپا کررکھا ہے، وہ ساری انسانیت کے لیے موجب ہلاکت ہےاوران اقدار کی کھلی خلاف ورزی ہے،جن کی نشان دہی اسلام نے فرمائی ہےاوردنیا کے سارے مذاہب نے ان کو تسلیم کیا ہے۔انسان کی دنیاوی سلامتی اوراخروی فلاح وکامرانی کا مکمل انحصارانہی اقدارکواپنانے میں ہے۔ جواس کا جوہر حقیقی بھی ہےاورروح رواں بھی۔

فاطمہ الفہری اور ان کی علمی میراث

صوفیہ خان فلاحی

فاطمہ الفہری عرف ام البنین ۸۰۰ء میں تیونس کے شہر قیروان کے ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئیں۔نویں صدی کے اوائل میں آپ کے تاجر پیشہ والد محمد بن عبداللہ الفہری مع اہل وعیال مراکش کے شہر فاس منتقل ہوگئے۔منتقلی کے بعد شروع شروع میں محمد بن عبداللہ الفہری نے بہت سی پریشانیوں کا سامنا کیا۔انتھک جدوجہد کے بعد وہ ایک کامیاب تاجر بن کر ابھرے۔اس وقت فاس تہذیب وتمدن اور تعلیم وتربیت کے میدان میں تیزی سے ترقی کررہا تھا۔مذہبی رسم ورواج کے ساتھ ساتھ آرٹ وسائنس کی ترقی بھی عروج پر تھی۔فاطمہ اور ان کی بہن مریم کی عقلی وروحانی نشونما کے لیے یہ ایک مناسب جگہ تھی۔دونوں بہنوں نے خود کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔یہیں پر فاطمہ کا نکاح بھی ہوا۔

فاطمہ کے شوہر اور والد (اور بعض روایتوں کے مطابق بھائی بھی) یکے بعد دیگرے رحلت فرما گئے۔ان کے انتقال کے بعد فاطمہ اور ان کی بہن مریم کو وراثت میں جو دولت ملی،اسے انہوں نے صدقہ جاریہ کے طور پر سماجی فلاح کے لیے وقف کردیا۔وہ اس دولت کا استعمال ایسے کاموں کے لیے کرنا چاہتی تھیں،جس سے ان کے آس پاس بسنے والے عام سماج کے لوگ فائدہ حاصل کرسکیں۔یہ دیکھتے ہوئے کہ فاس کی موجودہ مسجد نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مطابق چھوٹی ہے،مریم نے اندلس نامی ایک شاندار مسجد بنوائی۔فاطمہ نے بھی ایک مسجد بنوانے کا فیصلہ کیا۔تاکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے اندراج کا سلسلہ قائم ودائم رہے۔

۸۵۹ء(بمطابق رمضان ۲۴۵ ہجری) میں فاطمہ الفہری نے مسجد کی تعمیر شروع کروائی۔فاطمہ نہ صرف یہ کہ ایک مذہبی خاتون تھیں،بلکہ وہ فن تعمیر کی سمجھ رکھتی تھیں اور اس کے اصولوں سے واقف تھیں۔انہوں نے سچی لگن،خلوص نیت اور فراخ دلی کے ساتھ اس مسجد کی تعمیر میں اپنا وقت اور مال دونوں خرچ کیا۔انہوں نے بذات خود اس عظیم الشان منصوبے کی نگرانی میں حصہ لیا اور اس کی تعمیر میں انتھک محنت کی،جو ان کی دین سے

الفت اور ذاتی استقامت کا ثبوت ہے۔ مورخ حسن حسینی عبدالوہاب نے اپنی کتاب شہیرات التونسیات میں لکھا ہے کہ فاطمہ الفہری نے یہ شرط رکھی تھی کہ مسجد کی تعمیر میں استعمال ہونے والا پانی، مٹی، پتھر، چونا وغیرہ ان کے مال سے خریدی ہوئی زمین سے ہی لیا جائے گا۔ اس کام کے لیے انہوں نے مزدور طلب کئے۔ ان کو زمین میں گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور اس سے زرد ریت، چونا، پتھر وغیرہ نکالنے کا حکم دیا۔ تعمیر کے کام کے لیے اور مزدوروں کے پانی پینے کے لیے ایک دوسرا کنواں بھی کھودا گیا۔ انہوں اس بات کو یقینی بنایا کہ مسجد کی تعمیر میں استعمال ہونے والی ہر شئے اعلیٰ معیار کی ہو۔ تاکہ مسجد کی مضبوطی میں کوئی شبہ نہ رہے۔ ۸۷۶ء (بمطابق ۲۶۳ ہجری) میں اس مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ انہوں نے اپنے آبائی وطن قیران کے نام پر اس کا نام مسجد قرویین رکھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالہادی التازی نے اپنے رسالہ الدکتوراہ میں لکھا ہے کہ فاطمہ الفہری نے رضاکارانہ طور پر مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور اس کی تکمیل تک مسلسل روزے رکھے۔ تعمیر پوری ہونے کے بعد انہوں نے مسجد میں جا کر نمازِ شکرانہ بھی ادا کیا۔ اس مسجد کی تعمیر کی وجہ سے ہی انہیں 'ام البنین' کہا جانے لگا۔

بعد میں مختلف حکمرانوں نے مسجد قرویین میں توسیع کی اور اس وقت یہ شمالی افریقہ کی سب سے بڑی مسجد ہے، جہاں تقریباً بیس ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس وقت کے رواج کے مطابق اس مسجد میں تعلیم و تعلم کا کام بھی جاری ہوا، جس میں اس قدر برکت ہوئی کہ مسجد کی اس درسگاہ نے ترقی کرتے کرتے باقاعدہ ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ ابتدا میں یہاں صرف مذہبی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کا نصاب صرف قرآن و فقہ پر مبنی تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نصاب تعلیم میں عربی قواعد، علم ریاضیات، علم ادویات، علم فلکیات، علم فصاحت وبلاغت، علم موسیقی، علم کیمیا، علم تاریخ وجغرافیہ وغیرہ جیسے علوم بھی شامل ہوتے چلے گئے۔ مختلف روایتوں میں آتا ہے کہ یہاں فاطمہ الفہری نے نہ صرف یہ کہ بطور معلّمہ خدمات انجام دیں، بلکہ بطور طالبہ علم اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہہ کیا۔ یہ یونیورسٹی مشہور ہوتی چلی گئی اور دنیا کے کونے کونے سے لوگ یہاں پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے لگے اور یہ جامعہ القرویین کے نام سے مشہور ہوگئی۔ جامعہ القرویین کو آج دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ دنیا بھر میں کوئی ایسی درسگاہ نہیں، جہاں سے علم کا فیضان اتنے عرصے سے لگاتار جاری ہو۔ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ نے اسے اب تک موجود دنیا کا سب سے قدیم تعلیمی ادارہ قرار دیا ہے، جو تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اس وقت سے اب تک یہ مختلف مذاہب کے طالب علم کو ڈگریاں فراہم کر رہی ہے۔ یہ وہ قابل قدر ادارہ ہے، جس کے پاس چودھویں صدی میں تقریباً آٹھ ہزار طالب

علم تھے۔ یونیسکو کے ریکارڈ کے مطابق یہ دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی تھی، جس نے طالب علموں کو سند دینے کی ابتداء کی۔ کہاجاتا ہے کہ جب تک یہ ادارہ فاطمہ الفہری کے زیرنگرانی رہا یہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔

جامعہ القرویین کا کتب خانہ بھی قیمتی کتابوں اور نایاب مخطوطات کا گہوارہ ہے۔ یہاں سب سے پہلے ۱۳۴۹ء میں بنومرین کے سلطان انس فارس نے کتب خانہ بنایا۔ آج یہاں چار ہزار سے زائد قلمی نسخے ہیں، جن میں امام مالک کی موطا المالک، سیرت ابن اسحاق، ابن خلدون کا چودھویں صدی میں لکھا ہوا 'مقدمہ' اور ان کی کتاب العبر کی اصل کاپی کے علاوہ ابن منصور کی جانب سے ہدیہ کئے گئے قرآن کے نسخے اور دوسری نایاب اوراہم اسلامی نسخوں کے ساتھ ایک لکڑی کے تختے پر لکھا ہوا فاطمہ کا اصل ڈپلومہ بھی موجود ہے۔

جامعہ القرویین کے فارغین میں ابوالعباس، محمد الفاسی، الادریسی، ابن العربی، ابن رشد وغیرہ جیسے بلند پایہ مفکرین شامل ہیں۔ اس یونیورسٹی نے نہ صرف عالم اسلام بلکہ مغرب کو بھی بہت سی غیرمعمولی وممتاز شخصیات عطا کیں۔ اسے بحیرہ روم کا سب سے بڑا علمی مرکز قرار دیا گیا ہے۔ عربی اعداد (Arabic Numerals) سے دنیا کو متعارف کرانے والے پوپ سلوسٹر ثانی نے، جنہیں دنیا بابائے روم کے نام سے جانتی ہے، یہیں سے علم حاصل کیا۔ مشہور یہودی فلسفی موسی بن میمون اور لیوافریکانس نے بھی جامعہ القرویین سے ہی تعلیم حاصل کی۔

ام البنین فاطمہ الفہری نے جس عظیم الشان یونیورسٹی کی بناڈالی وہ ان کی دوراندیشی، احساس ذمہ داری اور مقصد کے لیے بےلوث پیش قدمی کا نتیجہ تھا۔ ان کے تعلیمی نظریے کے دوررس اثرات پورے عہد وسطی پر مرتب ہوئے، جس کے نتیجے میں یورپ میں کئی یونیورسٹیوں کی بنیاد رکھی گئی جن میں مشہور زمانہ آکسفورڈ یونیورسٹی (۱۰۹۶ء) اور بولونا یونیورسٹی (۱۰۸۸ء) وغیرہ بھی شامل ہیں۔

فاطمہ الفہری کی زندگی اس بات کی غماز بھی ہے کہ ماضی کی مسلم تہذیب ومعاشرے میں کس قدر باشعور اور ذی فہم خواتین سماج میں تعمیری کردارادا کرتی تھیں۔ فاطمہ الفہری نے جس طرح تن تنہا اس عظیم کام کو انجام دیا، وہ دنیا کی تمام انسانوں کے لیے اور بالخصوص عورتوں کے لیے جو اپنی کمزوریوں کا رونا ذرا زیادہ ہی روتی ہیں، ایک مثال ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عزم وحوصلہ ہو تو کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہے۔ آج امت مسلمہ کی خواتین کو یہ احساس نہیں ہے کہ وہ فاطمہ الفہری کی علمی میراث کی وارث ہیں۔ فاطمہ الفہری نے عیش وآرام کے بجائے اپنی پوری دولت بلکہ اپنی پوری زندگی انسانیت کی خدمت اوراس کو نفع پہنچانے میں لگادی۔ فاطمہ الفہری

۸۷۸ء (بمطابق ۲۶۵ ہجری) میں اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ لیکن ان کا نام آج بھی انسانی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں درج ہے۔ ایک ایسے دور میں جب مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا رجحان دوسری اقوام کے بالمقابل کم ہے فاطمہ الفہری کی شخصیت اور تعلیم کی راہ میں ان کی خدمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے دنیا کو تعلیم کی اہمیت بتائی اور ایک عظیم علمی وژن اور بہترین قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی، جہاں سے علم کی روشنی مسلسل بارہ سو سالوں سے جاری ہے۔ ●●

گزارش

مجلّہ اس وقت شدید خسارے میں ہے۔ آپ خود بھی اس کے سالانہ خریدار بنیں اور دیگر احباب کو بھی اس جانب متوجہ کریں۔

قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے حیات نو کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ فی الحال درج ذیل اکاؤنٹ میں اپنا سالانہ خریداری تعاون جمع کر کے درج ذیل واٹس اپ نمبر پر مکمل تفصیلات کی اطلاع دینے کی زحمت کریں۔ ان شاء اللہ رسید ای میل یا واٹس اپ کے ذریعہ آپ تک پہنچادی جائے گی۔ اکاؤنٹ کی تفصیل درج ذیل ہے:

Name:Abdul Hakim Mojahid
Bank: Union Bank of India
A.C No:584502010009509
IFSC:UBIN0558451
Branch:Jamia Nagar

مزید معلومات کے لیے درج ذیل ای میل اور موبائل نمبر پر رابطہ کریں:

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل: 9015958467۔7011838453

[ادارہ]

شہریت ترمیم بل میں مسلم پناہ گزین کیوں نہیں؟

رویش کمار

مترجم: محمد اسعد فلاحی

وسودھیو کٹمبکم والے بھارت میں خوش آمدید۔ پوری دنیا کو 'کٹمب' یعنی خاندان ماننے والے بھارت کی پارلیمنٹ میں ایک بل پیش ہوا ہے۔ جس بھارت کے تمام مذاہب کو ماننے والے لوگوں نے دنیا کے کئی ممالک میں اپنی مرضی سے شہریت لی ہے، اسی بھارت میں ایک بل پیش ہوا ہے۔ جنہیں ہم 'نان ریزیڈنٹ انڈین' کہتے ہیں۔ انہیں بھی یہ جاننا چاہئے کہ شہریت ترمیم بل کے تحت پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش یعنی صرف تین پڑوسی ممالک سے تشدد کے شکار ہندو، عیسائی، پارسی، جین، سکھ اور بودھ کو شہریت دی جائے گی۔ اس میں ایک مذہب کے ماننے والے شامل نہیں ہیں، وہ ہیں مسلمان۔ اس بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ یہ آئین کی اصل روح یعنی سیکولرزم کے خلاف ہے۔ کیوں کہ بھارت کا آئین مذہب، ذات اور جنس کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرے گا۔ امت شاہ کہتے ہیں کہ یہ کسی کے خلاف نہیں ہے۔ کتاب کا خلاصہ پڑھ لینے سے نہ تو آپ کو پوری کتاب سمجھ آتی ہے اور نہ ہی آدھی کتاب پڑھنے والا 'وشوگرو' تو چھوڑیے' گاؤں گرو' ہو سکتا ہے۔ بھارت کے پڑوس میں صرف پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش نہیں ہیں۔ نیپال، سری لنکا اور میانمار بھی ہیں۔ جو بل لایا گیا ہے، اگر اس کی بنیاد صرف تشدد ہے تو صرف ایک مذہب پر خاموشی کیوں ہے۔ اگر صرف مذہب ہی بنیاد ہے تو پھر مظلومیت کا سہارا کیوں لیا جا رہا ہے۔

مارچ 2018 میں نیویارک ٹائمز میں Dan Arnold اور Alicia Turner کا شائع شدہ مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ بھارت کے دو پڑوسی ملک میانمار اور سری لنکا ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ بدھ مت تنظیمیں اپنے مذہب کی کتاب کی طرح امن اور تحمل کے علم بردار ہی ہوں گے۔ میانمار میں بدھ مت

تنظیموں پر تشدد ہوا ہے، لیکن بدھ مت لا ماؤں نے روہنگیا مسلمانوں پر بھی ظلم ڈھائے ہیں۔ بدھ مت شناخت سے منسلک سیاست نے یہاں مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ سری لنکا دیکھ لیجیے۔ یہاں بھی بدھ مت قوم پرستی متشدد رہی ہے۔ جس کا شکار تامل ہندو رہے ہیں۔ بدھ مت قوم پرستی کے شکار مسلمان بھی ہیں۔ امت شاہ نے جو بل پیش کیا ہے اس میں صرف تین ممالک شامل ہیں اور ان تین ممالک کے مظلومین میں بدھ مت کا بھی نام ہے۔ لیکن پڑوس میں جہاں بدھ مت کے تشدد کا شکار مسلمان اور تامل ہو رہے ہیں، ان کی بات نہیں ہے۔ پاکستان میں شیعوں کے ساتھ کتنا تشدد ہوا ہے۔ کتنے ہی شیعہ ڈاکٹروں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ احمدیہ کمیونٹی کے لوگ بھی تشدد کا شکار ہوئے ہیں۔ ہندو بھی ہوئے ہیں۔ لیکن بھارت تشدد کو صرف ایک مذہب کی نگاہ سے دیکھے گا۔ شیعوں کے تشدد کی طرف نہیں دیکھے گا۔ احمدیوں کے تشدد کی طرف نہیں دیکھے گا۔

دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے، جس کے کھاتے میں دوسرے مذہب پر تشدد کا قرض نہیں لکھا ہے، لیکن اگر یہ قرض کسی بھی طرح سے چکایا جانے لگا تو زمین پر لاشوں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ مذہبی بنیاد پر تشدد ایک حقیقت ہے۔ تبھی سمجھانے والوں نے کہا ہے کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔ ان کا مقصد ایک ہے۔ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ بھارت میں جن تین ممالک کے چھ مذہبوں کے لیے شہریت کا قانون بن رہا ہے، یہ قانون ان ممالک میں ان مذاہب کے ماننے والوں کی حیثیت مضبوط کرے گا یا کم زور کرے گا؟ کیا اس قانون سے پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہندوؤں کی حالت مضبوط ہوتی ہے؟ اس قانون کے بعد انہیں ان دو ممالک میں کس طرح دیکھا جائے گا؟ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر بھارت اتنا ہی فکر مند ہے اور آپ انٹرنیٹ سرچ کریں کہ گذشتہ پانچ سال میں بنگلہ دیش کی وزیراعظم شیخ حسینہ اور وزیراعظم مودی کی کتنی بار ملاقات ہوئی ہے، کیا ایک بار بھی بنگلہ دیش میں ہندوؤں پر تشدد کی بات کی ہے؟ کبھی نہیں۔ وزیر داخلہ امت شاہ نے جو بل پیش کیا ہے اسے ضرور پڑھیں لیکن پہلے سوامی وویکانند کے اس بیان کو ضرور سنیں۔ 11 ستمبر 1893 کو شکاگو میں وویکانند نے کہا تھا: ''مجھے اس مذہب کا حصہ ہونے پر فخر ہے جس نے دنیا کو رواداری اور عالمگیر مقبولیت کا سبق پڑھایا ہے۔ ہم نہ صرف عالمگیر رواداری میں یقین کرتے ہیں بلکہ ہم تمام مذاہب کو قبول کرتے ہیں۔ مجھے فخر ہے میں ایک ایسے ملک سے آتا ہوں جس نے اس زمین کے تمام ممالک کے تمام مذہبوں کے ستائے گئے پناہ

گزینوں کو پناہ دی ہے۔''

وویکانند آج ہوتے تو کیا فخر کرتے اس بھارت پر، جس نے تمام ممالک اور تمام مذاہب کے ستائے ہوئے پناہ گزینوں کو پناہ دی ہے۔ وزیر داخلہ امت شاہ ہی بتا سکتے ہیں کہ وویکانند کیا سوچتے ہیں، یا آج کی سیاست کا کوئی بھروسہ نہیں، سہولت کے لیے وویکانند کو بھی مسترد کر دیا جاتا۔ وزیر داخلہ امت شاہ نے شہریت ترمیم بل پیش کر دیا۔ یہ بل ایک بار اور لوک سبھا میں پاس ہو چکا تھا مگر لوک سبھا انتخابات میں شمال مشرق میں ہوئی مخالفت کی وجہ سے راجیہ سبھا میں لیپس ہونے دیا۔ اب نئی شکل میں یہ بل پیش ہوا ہے۔

امت شاہ نے بتایا کہ افغانستان، بنگلہ دیش اور پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام ہے۔ دنیا کے قریباً 50 سے زائد ممالک ہیں، جن کا آئین خدا اور اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ آئین ساز اسمبلی میں بحث ہوئی کہ خدا کے نام سے آئین شروع ہوگا۔ ایچ وی کامتھ پیش کش لے آئے تو اس کی مخالفت ہوئی۔ ووٹنگ ہوئی تو خدا ہار گئے۔ امت شاہ نے کہا کہ کانگریس نے مذہب کی بنیاد پر تقسیم کر دیا۔ امت شاہ کو پتہ ہے کہ تقسیم کو لے کر عوام میں طرح طرح کی تصورات ہیں۔ کوئی نہ کوئی رائے ہے۔ خود سے پوچھیے کہ تقسیم کے بارے میں جاننے کے لیے کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔ نیتاؤں کو معلوم ہے کہ کوئی آئین ساز اسمبلی میں ہوئی بحث کو بھی نہیں پڑھے گا۔ یہ بحث ہندو مسلم نیشنل سلیبس کا کوہِ نور ہے۔ زیادہ تر لوگ اس کے دائرے میں ہی سمٹے رہ جائیں گے۔ امت شاہ سے پوچھا جانا چاہئے کہ اگر کانگریس نے مذہب کی بنیاد پر بھارت کو تقسیم کیا تو پھر کانگریس نے آئین ساز اسمبلی میں مذہب کی بنیاد پر بھارت بنانے پر زور کیوں نہیں دیا۔ اگر مذہب کی بنیاد پر تقسیم ہوتا تو آئین ساز ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے ہندو راشٹر کے تصور کی کیوں مخالفت کی تھی۔ کیوں کہا تھا کہ 'اگر ہندو راج ایک حقیقت بن گیا تو کوئی شک نہیں کہ وہ ملک کے ساتھ سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ ہندو خواہ کچھ بھی کہیں، ہندوازم آزادی، برابری اور بھائی چارے کے خلاف ہے۔ اس بنیاد پر یہ جمہوریت کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ ہر حال میں ہندو راج کو روکا جانا چاہیے۔'

سب نے اپنی سہولت کے صفحے چُن لیے تھے اور ظلم اور تشدد کو ثابت کرنے میں لگے تھے۔ تاریخ کے صفحات کا خطرناک استعمال ہوا۔ ارکانِ پارلیمان نے مایوس کیا۔ مرضی ہوئی تو تقسیم کے لیے گاندھی کو مجرم ٹھہرا دیا، مرضی ہوئی تو کانگریس کو مجرم ٹھہرا دیا۔ ہم تاریخ سے سبق سیکھ رہے ہیں یا مستقبل کی فکر

چھوڑ کر تاریخ کا بدلہ لے رہے ہیں۔شیوسینا کے سانسد ونا یک بی راوت نے سوال کیا کہ اس بل میں افغانستان کی فکر ہے، سری لنکا کے تملوں کی کیوں نہیں ہے۔ پوچھا کہ پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش سے کتنے لوگ بھارت آئے ہیں؟ اس کا کبھی ٹھیک سے پتہ نہیں چلا۔16 نومبر 2016 کو راجیہ سبھا میں حکومت نے کہا تھا کہ دو کروڑ بنگلہ دیشی دراندازہیں۔لیکن جب این آر سی کی فہرست بنی تو 19 لاکھ لوگ ہی فہرست سے باہر نکلے۔اس میں بھی 14 لاکھ ہندو اس بل کے بعد بھارت کے شہری بن جائیں گے۔ظاہر ہے سیاست نے اعداد وشمار کا ہوّا کھڑا کیا۔اب این آر سی سارے ملک میں نافذ ہونے کی بات کہی جارہی ہے۔

امت شاہ نے جس ریجنیبل کلاسیفلیکیشن کا ذکر کیا وہ کیا ہے، کیوں اس کی بنیاد پر اس بل کی آئینی حیثیت کی مخالفت ہورہی ہے۔کیوں مخالفت کرنے والے کہہ رہے ہیں کہ آئین کے آرٹیکل 14 کی روح کی خلاف ورزی ہے۔جو مذہب، ذات اور جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنے سے روکتا ہے۔

کانگریسی ممبر پارلیمنٹ منیش تیواری نے بھی اپنی تقریر میں کہا کہ بھارت بین الاقوامی معاہدوں سے عہد بستہ ہے کہ وہ ہر طرح کے پناہ گزینوں کو قبول کرے گا۔کانگریس نے اس بل کی مخالفت کی ہے۔منیش تیواری نے کہا کہ یہ بل آئین کی اصل روح کی خلاف ہے۔اس سے آئین کا بنیادی کردار بدلا جارہا ہے، جو 1973 کے کیشوانند بھارتی کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد تبدیل نہیں کرسکتا ہے۔یہ بل مذہب کی بنیاد پر شہریت کی وضاحت کرتا ہے۔منیش تیواری نے امت شاہ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس نے مذہب کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا تھا۔دوقومی نظریہ سب سے پہلے 1935ء میں ہندومہاسبھا کے سیشن میں ساورکر نے رکھی تھی۔

وائی ایس آر کانگریس نے اس بل کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ دوسرے فرقوں کے پناہ گزینوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔ڈی ایم کے سانسد دیاندھی مارن کا بھی نظریہ ہندی ریاستوں میں ہورہی بحث سے الگ رہا۔کسی کو دھیان نہیں آیا کہ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں، جو کسی بھی مذہب کے کسی بھی خدا کو نہیں مانتے ہیں۔بھارت میں سب سے بڑے آئکن شہید بھگت سنگھ ہیں۔'میں ملحد کیوں ہوں'؟ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ڈی ایم کے سانسد دیاندھی مارن نے ملحد کا سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ مجھے اس بل میں عیسائی دیکھ کر حیرانی ہوئی۔اچانک اتنا پیار کہاں سے آیا۔آپ مغربی ممالک کے خوف سے اقلیت کو

مسلمانوں اور عیسائیوں میں بانٹ رہے ہیں۔تاکہ آپ مغربی ممالک سے الگ تھلگ نہ پڑ جائیں۔ مارن نے یہ بھی کہا کہ جو خدا کو نہیں مانتے ہیں، ان کے بارے میں اس بل میں کچھ نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو کسی مذہب کے کسی خدا کو نہیں مانتے ہیں۔ بھارت میں ان کے سب سے بڑے آئکن بھگت سنگھ ہیں۔

اس بل کی بحث کے کئی جغرافیائی صوبے ہیں۔ ہندی بولنے والے علاقوں میں یہ مختلف طریقے سے دیکھا جا رہا ہے۔جنوب سے آنے والے غیر بی جے پی اور غیر کانگریس پارٹیوں کے ممبران پارلیمنٹ کا نظریہ مختلف ہے۔لیکن شمال مشرق کی ریاستوں میں جا کر بل کی بحث مکمل طور بدل جاتی ہے۔آسام اس بل کی دفعات کو لے کر سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ وہاں کے مقامی باشندے (انڈیجنیس کمیونٹی) سڑکوں پر ہیں۔ بہت سی تنظیمیں اس میں حصہ لے رہی ہیں۔

آسام کی شاید ہی کوئی ایسی اہم یونیورسٹی ہوگی، جہاں اس بل کی مخالفت میں احتجاج نہ ہوئے ہوں۔نیشنل میڈیا کے کیمروں سے دوران مظاہروں کی ویڈیو واٹس اپ کے ان باکس میں گھومتی رہی ہیں۔ گواہاٹی یونیورسٹی، کاٹن یونیورسٹی، ڈبروگڑھ یونیورسٹی، تیج پور یونیورسٹی، ایگری کلچر یونیورسٹی سے لے کر کوکراجھار کے مرکزی انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں شدید احتجاج ہوا ہے۔ طالب علموں کے ساتھ ساتھ پروفیسر بھی اس احتجاج میں شامل ہیں۔ دن میں مظاہرے کر رہے ہیں، راتوں کو مشعل جلوس لے کر چل رہے ہیں۔آسام کے نوجوانوں کا کہنا ہے کہ ان کے لیے زبان سپریم ہے۔ مذہب نہیں ہے۔ دراندازوں کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنے کے خلاف ہیں۔ یہ بل ہندو دراندازوں کو شہریت دینے کے لیے ہے۔جبکہ 80 کی دہائی کا آسام آندولن دراندازوں کے خلاف تھا، دراندازوں کے مذہب کے خلاف نہیں۔آسام تحریک اپنی زبان اور ثقافت کی شناخت کے لیے ہوئی تھی، جس کے لیے 885 لوگوں نے شہادت دی تھی۔لہٰذا شہریت ترمیم بل کی مخالفت میں آسام میں جگہ جگہ ریلیاں ہو رہی ہیں۔آسام کے لوگوں کی بے چینی اس بات سے بھی بڑھی کہ نیشنل میڈیا نے اس بل کے خلاف ہو رہی کارکردگی کو نظرانداز کیا۔ان کا کہنا ہے کہ بی جے پی نے بھی انہیں درانداز کہا۔ یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کوئی تشدد کا مارا درانداز ہے۔اب کیوں کہہ رہے ہیں کہ ہندو درانداز ہیں اور مظلوم بن کر آئے ہیں۔سوال پوچھا جا رہا ہے کہ یہ کس بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ آسام کے ہندو یعنی بنگالی درانداز ہراساں

ہو کر ہی آئے ہیں۔ درانداز نہیں کی ہے۔

آرٹیکل 370 جب ہٹا تو کہا گیا کہ ایک ملک ایک قانون ہے۔لیکن کیا شہریت ترمیم بل ایک ملک ایک قانون کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ جواب ہے،نہیں اترتا ہے۔جس شمال مشرق کو ذہن میں رکھ لایا گیا ہے، وہیں پر یہ بل یکساں طور پر نافذ نہیں ہو رہا ہے۔کسی ریاست میں نافذ نہیں ہوگا تو کسی ریاست میں کس حصے میں نافذ نہیں ہوگا۔

اس بل کا اثر پاکستان سے آئے ان ہندوؤں پر بھی پڑے گا، جو برسوں سے حق اور سہولت کی غیر موجودگی میں زندگی گزار رہے تھے۔ان میں سے بہت پریشان ہوئے ہیں اور بغیر حقوق اور سہولت کے طویل وقت سے راجستھان کے کئی حصوں میں رہتے آرہے تھے۔ دوسری جگہوں میں بھی رہتے ہیں۔ لیکن آسام پہنچ کر پورا معاملہ بھارت کی رواداری اور سخاوت کا امتحان لینے لگتا ہے۔ وہ 'عالمی گرو' کم، چھڑی گھمانے والا اسکول کا ماسٹر زیادہ لگنے لگتا ہے۔آج آسام میں ہی وہاں کے بنگلا بھاشی بیگانے ہو گئے ہوں گے۔انہیں حق مل رہا ہے مگر وہ جشن نہیں منا رہے ہیں۔شہریت کی سیاست انہیں آگے بھی کبھی بنگالی ہندو تو کبھی بنگلہ دیشی درانداز کہتی رہے گی۔ یہ لوگ بنگلہ دیش کے وقت بھارت آئے۔اس کے پہلے بھی آئے۔ وہ بھارت کا شاندار لمحہ تھا۔ یہی اس مسئلے کی پیچیدگی اور حساسیت ہے۔کاش کوئی ہوتا جو آسام میں دونوں سے آنکھیں ملا کر اور دونوں کو گلے لگا کر باتیں کرتا۔آج وہاں کے مقامی اپنی لسانی شناخت کو لے کر فکرمند ہیں۔ بنگالی اپنی لسانی شناخت کو لے کر سہمے ہوں گے۔

بحث میں بنگلہ دیش اور بھارت کے درمیان مذہب کی دیوار بڑی دکھائی جا رہی ہے۔مگر زبان کی اس زمین کو نہیں دکھایا جا رہا ہے، جو مذہب سے کہیں زیادہ ہری بھری ہے۔ بھارت اور بنگلہ دیش کے قومی ترانے کا شاعر ایک ہی ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور۔سوچیے اصل باشندے اور بنگلا بھاشیوں کے درمیان وہ مسلمان کہاں کھڑے ہوں گے، جنہیں ڈٹینشن سینٹر کا ڈر ستا رہا ہوگا۔ وہ کس بھارت کی طرف دیکھیں ،جس کی سیاست صرف انھیں درانداز پہنچانتی ہے،ان کی آنکھوں میں کتنا خوف ہوگا۔ ان میں سے ایک تو کارگل کے یودھا تھے،مگر درانداز کا لیول لگ گیا۔آسام اس بحث سے باہر ہے۔بی جے پی کے 9 ایم پی ہیں آسام سے، ایک بھی رکنِ پارلیمنٹ نے نہیں بولا۔آسام سے پہلے رکنِ پالیمان تھے کانگریس کے گورَو گوگئی جنہوں نے بولا مگر بہت بعد میں۔ گورَو نے بل کی مخالفت کی۔منی

پور، میزورم، تریپورہ اور ناگالینڈ سے کسی ممبر پارلیمنٹ نے اس بحث میں حصہ نہیں لیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ساری بحث پر شمالی بھارت کی سیاست کا غلبہ ہے۔ وہ جو سوچے گی، وہ جو کہے گی، باقی بھارت کو وہی ماننا ہوگا؟ تو پھر آپ کرتار پور جا کر دیکھئے۔ جہاں سے ہوتے ہوئے پنجاب کے سکھ دربار صاحب کے درشن کرنے جا رہے ہیں۔ اس لیے اکالی رکنِ پارلیمنٹ سکھبیر بادل نے کہا کہ مسلموں کو اس بل میں جوڑیے۔ اویسی نے کہا کہ ہمارے بزرگوں نے جناح کو نہیں مانا، مولانا آزاد کو مانا۔ آئین بنانے والوں کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔

گاندھی نے کہا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ نہیں نکال سکتے۔ وشوگرو کا خواب واقعی ہوتا تو بھارت سب کی بات کرتا۔ سب کے لیے بولتا۔

●◘●

میرا بھارتی ہیرو اتنا دکھی کیوں؟

ماسٹر شاہ عالم فلاحی

آج پھر وہ دکھی انسان اس درخت کے نیچے بیٹھا تھا، جہاں وہ اکثر گاؤں کے نوجوانوں کے ساتھ اپنی گائیں چراتا تھا۔ ان کے سامنے ندی میں نہایت صاف وشفاف پانی تھا۔ جس میں گوپیاں اسنان کرنے کے لیے اکثر آیا کرتیں تھیں۔ لیکن اٹھتی جوانی کے بعد بھی ان کو چھیڑنے کی ہمت کوئی نوجوان نہیں کرتا تھا۔ کیوں رام اور رحیم کے بٹوارے کرنے والے سیاسی نیتا اب تک اس کے وطن میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ نوجوان سادہ مزاج تھا۔ اس کے وطن میں بھانت بھانت دھرم کے ماننے والے نوجوان تھے۔ جو آپس میں مل کر رہتے تھے۔ میلے اور عید میں ایسے خوش ہو کر ملتے تھے، جیسے بہار کے موسم میں پھول پر بھانت بھانت کی تتلیاں منڈلایا کرتی اور بلبلیں دیوانی ہو کر محبت کی غزل گایا کرتی ہیں۔ ایشور تو صرف ان سے محبت کرتا ہے اور ان ہی کے وطن کو سکون وامن اور ترقی سے نوازتا ہے جو مانو سے پیار کرتے ہیں اور اپنی روٹی میں غریبوں کو بھی حصہ دیتے ہیں۔

وہ دل کہ جس میں سوز محبت نہ ہوائے ذوق
اچھا ہے اس سے سنگ کہ اس میں شرر تو ہے

اس دکھی انسان کا نام گوپال تھا۔ کبھی اس کی اٹھتی جوانی میں کئی مردوں کی طاقت تھی۔ عجیب شکتی کا وہ انسان تھا۔ خوبصورت چہرا، کالی آنکھیں، چوڑا سینہ، گٹھا ہوا بدن، ران جیسے جامن کی سلہی۔ اگر کبھی تاؤ آجائے تو جنگل کا شیر بھی ڈر سے چمپت ہو جائے۔ جس گلی کی طرف نکلتا سندر سندر گوپیاں اس کے نینوں کی مسکان ملانے کے لیے تڑپ جاتی تھیں۔ لیکن گوپال جتنا سندر اور طاقتور تھا، اتنا ہی اس کو اپنے اوپر قابو بھی تھا۔ وہ ان گوپیوں کے پاس سے سر جھکا کر گزر جاتا، جیسے بیاباں کی ہرنی کبھی کبھی مشک کی تلاش میں اپنی گردن جھکا کر تیزی سے دوڑتی ہے۔

لیکن آج پھر گوپال اسی جگہ اسی درخت کے نیچے بیٹھا تھا، جہاں وہ اکثر دوستوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

اس کے دوست مختلف دھرم کے ماننے والے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنے وطن سے تعلق رکھتا تھا۔ جو دھرموں کا سنگم قدیم زمانے سے ہے۔ دھرم کی شکتی اور اس کی رنگا رنگی کو باقی رکھنے کے لیے گوپال بے حد دکھی اور پریشان تھا۔ اس کو ان دھرموں میں اپنے وطن کی عزت اور طاقت اور حسن چھپا نظر آتا تھا۔ اس کو اگر مندر کے بھجن پیارے تھے تو صبح میں ہونے والی اذان اس کو بستر سے صرف جگاتی ہی نہیں تھی، بلکہ اس کو لگتا تھا کہ گندے شیطان بھی ان شبدوں سے دور بھاگ جاتے ہیں۔

اے شمع تو بتا تیرا دیوانہ کون ہے
لوٹا ہے جو میرا وطن وہ نیتا کون ہے

اب گوپال کی جوانی اس سے بے وفائی کر رہی تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ پھول کی طرح مرجھا رہا تھا۔ شکتی اور جوانی کا نشہ مٹ رہا تھا۔ وہ اس درخت کے نیچے بیٹھا تھا، جو خشک ہو چکا تھا۔ اگر چہ اکیلا تھا، لیکن اس کے وجود سے میدان اور کھیتوں میں عجیب حسن تھا۔ اس میں اور گوپال میں بہت گہرا رشتہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے ترجمان تھے۔ اس کی خاموشی کہہ رہی تھی۔

اکیلا ہو مگر آباد کر دیتا ہوں
بہت روئے گی میرے بعد میری شام تنہائی

آج گوپال بہت رو رہا تھا۔ حالانکہ اس کے نین سے کبھی آنسو گرے بھی نہیں تھے۔ دل کا مضبوط انسان تھا، لیکن وہ دماغ کے آئینہ سے اپنے وطن بھارت کو تیزی سے بدلتا دیکھ رہا تھا۔ اس کو شکوہ تھا نیتا جی سے، انصاف گھر کے جاہلوں سے، لوٹ گھر کے لٹیروں سے اور سب سے زیادہ تکلیف تھی بھون کے بیماروں سے۔ معلوم نہیں ان کو گیان ہے یا ان لوگوں نے ڈگریاں چرائی ہیں۔ گوپال ہلکی آواز سے کہہ رہا تھا جو ستیہ دل کی آواز تھی۔

گوپال کے سامنے وہ کھیت تھا، جس میں وہ بھانت بھانت کے غلہ اگاتا تھا اور غلہ لوگوں کو کھلاتا تھا۔ نیتا کے پاس بنگلہ اور خوبصورت کار، زندگی کے لیے ہر چیز جتنا من کہے انصاف گھر کے لٹیروں کورٹ کے ڈاکوؤں اور شکشا گھر کے مالکوں سب کا یہی حال تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ گیان کبھی اتنا گندا ہو جائے گا۔ نہیں گیان کبھی بھی میلا نہیں تھا۔ جب انسان گندا ہو جاتا ہے جب اس کے ہردے پر گندگی لگ جاتی ہے تو

میرا بھارتی ہیرو اتنا دکھی کیوں؟

وہ ایسا کرائم کرتا ہے جس سے جنگل کے درندے بھی گھبراتے ہیں اور شیطان بھی اس سے لجاتا ہے۔

گوپال کا دل درد اور دکھ سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا ایسے میرے وطن کے غریبوں دھرم سے ہٹ کر اور اے کسانوں جس کے دانے سب کھاتے ہیں اب یا تو تم اپنی پارٹی بنالو یا پھر ان چور کے خلاف احتجاج کرو غلہ مت اگاؤ۔

●●

مرحوم منظور کی یاد میں!

شمشاد حسین فلاحی

'منظور کا پی لاؤ' ایک خاص شخص کی خاص آواز! اس آواز کا پیکر ہمارے عہد کے فلاحیوں کو ایک دور کی طرف لوٹا دے گا اور وہ اپنے دور کے جامعۃ الفلاح کے ہاسٹل اور مطبخ میں خود کو آتا جاتا تصور کریں گے۔ پکارنے تھے والے جنید صاحب مرحوم، جنھیں عرف عام میں 'نگران صاحب' کہا جاتا تھا۔ وہ تو کئی سال پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے اور اب وہ شخص بھی جس سے یہ کہا جاتا تھا، رخصت ہو گیا۔ 'منظور' جامعۃ الفلاح کا ایک خادم تھا جسے عام لوگ 'چپراسی' کہتے ہیں۔

منظور چپراسی، اپنے وقت کا انٹرمیڈیٹ، جامعۃ الفلاح کے مطبخ میں ایک خادم تھا۔ خدا جانے حالات کے کس ریلے نے اسے یہاں لاکر پٹخ دیا تھا۔ شاید وہ بھی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود زندگی کے ساحل پر اسی طرح چھوٹ گیا ہو، جس طرح سمندر کی لہریں اپنے اندر پلنے اور پروان چڑھنے والی مخلوقات کو سوکھی ریت پر چھوڑ کر واپس چلی جاتی ہیں۔

کل یہ حیرت انگیز انکشافات ہوئے کہ منظور بھائی جامعۃ الفلاح دراصل ابتدائی اور ثانوی درجات میں تدریس کے لیے آئے تھے۔ ان کو یہ کہہ کر رکھا گیا تھا کہ فی الحال تدریس میں جگہ نہیں ہے۔ اگر چاہو تو اس جگہ کام کرلو۔ بعد میں جگہ خالی ہونے پر ادھر منتقل کر دیا جائے گا۔ اس طرح منظور مدرس کے بجائے چپراسی بن گئے اور اسی پوسٹ کے ساتھ تقریباً چار دہائیوں تک اسی پوزیشن پر کام کرتے ہوئے زندگی سے 'ریٹائر' ہو گئے۔

اس وقت ہمارے ذہن میں منظور بھائی کی کئی تصویریں گھوم رہی ہیں۔ سر پر بڑا سا تھال اٹھائے ہمارے اساتذہ کو ان کے کمروں میں کھانا پہنچاتے ہوئے، شام کو، عام طور پر عشاء کے بعد، اساتذہ سے ڈائٹ رجسٹر میں خوراکی لکھواتے ہوئے اور بعد میں جب وہ مطبخ سے دفتر تعلیمات منتقل ہو گئے تو کلاس کلاس جا کر اساتذہ سے اطلاعاتی رجسٹر سائن کراتے ہوئے اور پوری طاقت سے اچھل کر پیتل کے گھنٹے پر ہتھوڑا مارتے ہوئے یعنی گھنٹا بجاتے ہوئے۔ ان کے ہمارے ذہن میں کئی کردار ہیں۔ سخت گیر چپراسی کا جو صدر مدرس کے حکم پر طلبہ کو خالی گھنٹی میں ہوسٹل جانے سے روک رہا ہے اور ایک نرم دل انسان جو طلبہ کی غلطیوں کو نظرانداز کر رہا ہے

اور صدر مدرس سے شکایت نہیں کر رہا ہے۔

1986ء میں داخلہ کے وقت ہم نے منظور بھائی کو جامعۃ الفلاح کے مطبخ میں ایک خادم کی حیثیت سے پایا اور دفتر تعلیمات کے خادم کی حیثیت سے چھوڑا۔ یہ 1993 کی بات ہے۔ اب تک یعنی اپنی موت تک وہ جامعۃ الفلاح کے دفتر تعلیمات کے ملازم تھے اور ۲۹ رنومبر کو ان کا یہ تعلق اسی صورت میں ختم ہوا، جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ معلومات کے مطابق موت سے دو ہفتہ قبل ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا، جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور دنیا چھوڑ گئے۔ اپنے داخلے کے وقت سے اگر جوڑیں تو ان کی خدمت ۳۳ سال ہوتی ہے، لیکن وہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ کتنے سال پہلے سے تھے نہیں معلوم لیکن تھے پرانے۔ اگر اس مدت میں چند سال اور جوڑ دیے جائیں تو یہ مدت چار دہائیوں پر محیط مانی جا سکتی ہے۔ چار دہائی کی طویل مدت پر محیط ان کی خدمات ہزاروں طلبہ کو حاصل رہی ہوں گی اور سب کی تعلیم و تربیت کے نظام میں ان کی حصہ داری بھی یقیناً تسلیم کی جائے گی۔

مادرِ علمی جامعۃ الفلاح میں دوران طالب علمی جس تعلیم و تربیت کے نظام نے ہمیں 'وہ کچھ بنایا جو ہم آج ہیں'۔ اس میں صرف ہمارے عظیم و مخلص اساتذہ کا ہی کردار نہیں، بلکہ منظور جیسے 'معمولی خادمین' کا بھی کچھ نہ کچھ رول ہے۔ کیوں کہ وہ بھی اس تعلیم و تربیت کے نظام کا ایک کل پرزہ تھے، جس سے فیض اٹھا کر ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ نہ صرف اساتذہ کی محبتیں اور پرخلوص رویہ ہمارے ذہن و فکر پر نقش ہے، بلکہ منظور جیسے چپراسی کا ہمہ رنگ برتاؤ بھی یادوں کے خزانے میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ سخت گیر تصور کیے جانے والے نائب صدر کے سخت احکامات کے باوجود صبح کو باہر ناشتہ کی غرض سے جانے کے لیے ہماری التجا پر دروازہ کھولتے ہوئے بھی دیکھا ہے کہ ''جائے دے مولی صاحب بچہ لوگ کھا پی کے آجائے گا۔'' ان کی یہ محبت آمیز باتیں دل و دماغ پر نقش ہیں۔

ہم لوگ منظور بھائی کو پیچھے سے آواز لگا کر ''منظور کا پی لاؤ'' تنگ بھی کیا کرتے تھے اور بعض اوقات ان سے مزاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ مگر مجال ہے کہ منظور بھائی نے کبھی برا مانا ہو یا ہماری ان حرکتوں کی شکایت کر کے ہمیں سزا دلانے کی کوشش کی ہو۔ ان کی اسی محبت کا اثر تھا کہ طلبہ کبھی بھی اپنے رویہ میں اتنے غیر محتاط نہ ہوتے تھے کہ وہ اپنے احترام کو داؤ پر لگا ہوا محسوس کریں۔ یہ اس تربیتی نظام کی وجہ سے تھا، جس نے ہم لوگوں کو اساتذہ کے ساتھ ساتھ خادمین جامعہ کا بھی احترام کرنا سکھایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم طلبہ منظور تو کیا فلاح کے

صفائی کارکن'امیری' تک سے بڑے احترام سے بات کرتے تھے اور وہ بھی'مولی صاحب،مولی صاحب' کہہ کر ہر چھوٹے بڑے سے مخاطب ہوا کرتے تھے۔ادب واحترام اور محبت کی یہی یادیں ہمیں پرانے دور کی طرف لوٹا دیتی ہیں۔کیوں نہ لوٹائیں،اس ماحول کے ذرہ ذرہ میں جو خلوص و محبت تھی،اسی کا اثر ہے کہ ہم نہ صرف جامعۃ الفلاح کے اساتذہ کرام اور اس کے در و دیوار سے محبت کرتے ہیں، بلکہ جب موجودہ زندگی کی دوڑ میں بھاگتے ہوئے سانس پھولتی محسوس ہوتی ہے تو در و دیوار فلاح کے سائے میں ستانے کو جی چاہنے لگتا ہے اور اس آنگن کی خوشبودار فضا کا ہی اثر ہے کہ ہم اپنے اساتذہ سے جہاں گہرا تعلق محسوس کرتے ہیں، وہیں منظور کی موت پر بھی آج ہمارا دل غمگین، خامہ خوں چکاں اور انگلیاں فگار ہیں۔ان کی چلتی پھرتی، فعال و متحرک زندگی جو جامعۃ الفلاح کے لیے وقف تھی، بہت یاد آرہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل میں جامعۃ الفلاح سے وابستہ ہر ہر فرد کی قدر و منزلت ہے اور ان میں صرف اساتذہ کرام ہی نہیں، جنھوں نے ہمیں علم و فکر سے فیض یاب کیا بلکہ وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو ہمارے لیے کھانا پکاتے اور ہماری جھوڑی ہوئی پلیٹیں دھوتے تھے۔اس بزرگ کارکن مطبخ کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں، جو صبح سے شام تک وہ چاول اور گیہوں صاف کرتے رہتے تھے، جو ہمیں کھانے میں دیا جاتا تھا۔ہماری تعلیم و تربیت میں ان تمام انسانوں کی حصہ داری پر ہم آج ممنونیت کے جذبات سے یہ تحریر لکھ رہے ہیں۔منظور بھائی تو ایک مثال بر موقع ہیں۔ورنہ کتنے لوگ ہماری زندگی میں بنیاد کے پتھروں کی طرح دفن ہیں، جن پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔اور شاید ہماری اپنی بھی نہیں۔مستقبل میں جب جامعۃ الفلاح کی تاریخ لکھی جائے گی تو منظور یا اس جیسے لوگوں کا کہیں ذکر نہ ہوگا، لیکن ہمارے ذہن و دماغ میں وہ محفوظ ہیں اور شاید اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ہماری دعائیں اور ان کی گمنامی ان کے اجر میں اضافہ کا ذریعہ بن جائے۔آج جب کہ منظور بھائی کی موت کی خبر سن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ منظور بھائی کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کی خدمات کو قبول فرمالے، فارغین فلاح کی نیکیوں میں انھیں بھی شریک کرلے اور ہم فارغین کو عظیم نیکیوں کی توفیق دے۔آمین!

اس وقت ہم ان کے پسماندگان کے لیے بھی رحمان و رحیم سے صبر و اجر اور آسان زندگی کی دعا کرتے ہیں اور اس سے اس کے کرم کی بھیک مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولائے کریم تو خود ان کا ولی بن جا کہ تو ہی بہترین ولی ہے!

منظور صاحب مدتوں یاد رہیں گے!

محمد اسامہ فلاحی

بعض افراد بظاہر بہت چھوٹے ہوتے ہیں، لیکن کسی ادارے کے لیے ان کی اخلاص، محنت، لگن، بے لوث، ہر ایک کی خدمت ان کو بڑے لوگوں کے صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔ کچھ اسی طرح کی شخصیت کے مالک جامعۃ الفلاح کے جناب منظور صاحب (چپراسی) تھے، جنہیں محبت سے طلبہ منظور چچا کہا کرتے تھے۔ 29 نومبر بروز جمعہ وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ایک ماہ سے بیمار چل رہے تھے۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ دوبارہ صحت یاب نہیں ہوسکیں گے۔

جمعہ بعد جیسے ہی یہ خبر ملی کہ جناب منظور صاحب (چپراسی) اس دنیا میں نہیں رہے تو ماضی کی یادیں نگاہوں کے سامنے گھوم گئیں۔ حقیقت میں اپنی شخصیت اور محنت کی وجہ سے وہ ہر شخص کے دل میں بستے تھے۔ جامعہ کے تمام اساتذہ وطلبہ یکساں طور پر ان سے محبت کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بینک اور پوسٹ آفس کے کاموں میں رضا کارانہ طور پر ہر ایک کا تعاون کرتے تھے۔

میں ابتدائی زمانہ طالب علمی سے سہ روزہ دعوت کا خریدار رہا، جس کی وجہ سے منظور صاحب سے شروع ہی میں ایک قسم کا تعلق خاطر قائم ہوگیا تھا۔ وہ بلا انقطاع اخبار پہنچا دیا کرتے تھے اور اکثر ان سے دنیا بھر کی باتیں ہوتیں، جس سے بہت سے ساتھی محظوظ ہوتے۔

فضیلت سال دوم میں جب جمعیۃ الطلبہ کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر آئی تو جن لوگوں نے سب سے زیادہ تعاون کیا ان میں سے ایک منظور صاحب تھے۔

مرحوم بڑے بااخلاق، خوش مزاج، ملنسار، خدمت گزار مزاج کے آدمی تھے۔ جامعہ جانے پر اپنے انوکھے انداز سے خیریت دریافت کرتے، حال احوال پوچھتے اور آخر میں مزید ترقی کی دعا دیتے۔

آپ جامعہ کے ان چند افراد میں سے ہیں، جنہوں اس کی تعمیر وترقی میں اپنا سب کچھ لگا دیا۔ 1990 میں

منظور صاحب مدتوں یاد رہیں گے!

آپ کی تقرری بطور کارکن (چپراسی) عمل میں آئی اور 2019 تک 30 سال بلاانقطاع جامعہ کی خدمت کرتے رہے۔ جامعۃ الفلاح نے اپنے طلبہ کی کچھ اس طرح تربیت کی ہے کہ وہ نہ صرف اساتذہ اور ذمہ داران جامعہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ معمولی سمجھے جانے والے کارکنان سے بھی اس طرح محبت کرتے ہیں اور انہیں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ جامعہ کی تاریخ میں آپ کا ذکر خیر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

اپنے پیچھے آپ نے پیچھے بیوی، تین بیٹوں اور چار بیٹیوں کو چھوڑا۔ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی شادی ہو چکی ہے۔ بڑا لڑکا ڈرائیور ہے، باقی دو فرنیچر کا کام کرتے ہیں۔ ایک بیٹی عالمہ پنجم میں، دوسری درجہ ہشتم میں اور تیسری درجہ چہارم میں زیر تعلیم ہے۔ اللہ تعالی آپ کی خدمات کو قبول کرے اور جنت میں اعلی مقام عطاء کرے۔ آمین

تعارف وتبصرہ

کتاب: جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات

مصنف: ضیاءالدین فلاحی

صفحات: 208

قیمت: =/۳۵۰

سن اشاعت: ۲۰۱۹ء

ناشر: براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔۲۵

مبصر: **ابوالاعلی سید سبحانی**

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز برائے علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے نئے شعبوں میں سے ہے۔ تاہم یہ شعبہ یونی ورسٹی کے شعبوں کے درمیان اپنی مختلف اہم اور منفرد سرگرمیوں کی وجہ سے کافی نمایاں ہے۔ حالیہ دنوں ملک کے مختلف مکاتب فکر کی نمایاں قرآنی خدمات کی جمع وترتیب کا کام بھی مرکز کی گراں قدر خدمات میں شامل ہے۔ اس سلسلۂ مطبوعات کی ایک اہم کڑی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے اسسٹنٹ پروفیسر اور معروف مصنف ڈاکٹر ضیاءالدین ملک فلاحی صاحب کی تیار کردہ کتاب 'جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات' ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے متعلقہ ادارے کی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جماعت اسلامی کی تاریخ سے دس ایسی منفرد شخصیات کا انتخاب کیا ہے، جن کی قرآن کے سلسلے میں خدمات بہت نمایاں ہیں۔

جماعت اسلامی کا مزاج اور اس کا اسٹرکچر کچھ اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ اِس سے وابستہ افراد کا تعلق مختلف مکاتب فکر، مختلف مسالک فقہ اور مختلف تعلیمی اداروں سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مختلف علمی، فکری اور عملی میدانوں میں جماعت سے وابستہ افراد کی خدمات میں تنوع خوب دیکھنے کو ملتا ہے اور وسعت بھی۔ قرآن اور قرآنی علوم کے سلسلہ میں بھی مؤسس جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کے بعد شخصیات کا پورا ایک سلسلہ ہے، جنھوں نے مختلف زبانوں میں قرآن اور قرآنی علوم سے متعلق غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔

صرف فراہی مکتب فکر کے حوالے سے بات کی جائے تو جماعت اسلامی سے وابستہ فضلاء کی پوری ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا سید حامد علی، مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی، مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، مولانا محمد فاروق خان، اور ڈاکٹر عرفان احمد خان وغیرہ۔ یقیناً اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مصنف کے لیے ان شخصیات میں سے انتخاب کا مرحلہ کس قدر آزمائش سے بھر پور رہا ہوگا اور اس میں وہ اپنے ذاتی رجحان اور بہتر سے بہتر کی جستجو کے درمیان کس قدر کش مکش سے دوچار ہوئے ہوں گے، بہر حال اگر موصوف مقدمہ میں شخصیات کے اس انتخاب کی بنیاد پر بھی کچھ روشنی ڈال دیتے تو مناسب ہوتا۔

فاضل مصنف نے مقدمہ میں بہت اختصار کے ساتھ اپنی منتخب کردہ دس شخصیتوں کی نمایاں ترین خدمات پر دو دو تین تین سطروں میں روشنی ڈالی ہے۔ مقدمہ کے آخری حصہ میں موصوف نے بحیثیت مجموعی ان شخصیات کی مشترکہ خوبی کا تعارف کراتے ہوئے جماعت اسلامی کے فضلاء کی قرآنی خدمات کے حوالے سے ایک بہت اہم اور قیمتی بات لکھی ہے: ''تفسیر قرآن میں جماعت کے ان علماء کرام نے قرآن کے پیغامِ ہدایت کو کلیدی اہمیت دی ہے۔ یہ تمام کوششیں نہ کسی مسلک کے زیر سایہ پروان چڑھیں اور نہ کسی خاص 'قرآنی صنعت' کو فروغ دینے کے لیے نمودار ہوئیں، بلکہ تمام کا مشترکہ اصول تصنیف یہ رہا کہ رب العالمین کے اس آخری ہدایت نامے کو انسانیت کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ بطور خاص ہندوستان کی امت اسلامی قرآن سے وابستہ ہو کر دین اسلام کے احیاء کی علم بردار اور امین بن جائے!'' (ص ۱۲-۱۳)

کتاب میں بجا طور پر سب سے پہلے مولانا مودودیؒ کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے، مولانا مودودی کی قرآنی خدمات کے حوالے سے مصنف موصوف نے تفہیم القرآن پر مختلف پہلوؤں سے اچھی اور قابل قدر بحث کی ہے، لیکن اگر مصنف موصوف تفہیم القرآن پر ہونے والے تحقیقی کاموں، خاص طور سے پروفیسر خورشید احمد کی 'تفہیم القرآن، ایک کتاب انقلاب'، مولانا عامر عثمانی کی 'تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں' اور مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی 'تفہیم القرآن، ایک عظیم تفسیری کارنامہ' بھی پیش نظر رکھتے تو متعدد مفید اور اہم پہلوؤں کا اضافہ ہوسکتا تھا۔ دوسری اہم بات، جو اس سلسلے میں دیکھنے کی ہے، وہ یہ کہ تفہیم القرآن مولانا مودودیؒ کی قرآنی خدمات کا صرف ایک حصہ ہے، جو یقیناً بہت اہم اور قیمتی ہے، لیکن ان کی قرآنی خدمات کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو موجودہ تناظر میں بہت اہم ہیں، بلکہ فکر مودودی کے حوالے سے

غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔مثال کے طور پر مختلف موضوعات پر خالص قرآنی استدلال کرتے ہوئے پورا ایک ڈسکورس کھڑا کرنا فکر مودودی کا ایک امتیازی وصف ہے۔اس سلسلہ میں مصنف نے حاشیہ نمبر ایک میں 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں' اور 'اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر' کی جانب اشارہ کیا ہے۔تاہم ان کا اشارہ بہت ہی عمومی قسم کا ہے۔ناچیز کا خیال ہے کہ تعیین کے ساتھ مولانا مودودی کی خدمتِ قرآن کے اِس پہلو پر بھی اور دوسرے پہلوؤں پر بھی گفتگو کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔بہر حال اگر ان پہلوؤں کو مصنف نے اپنی بحث کا حصہ بنایا ہوتا تو سید مودودیؒ کی قرآنی خدمات کا تعارف بھر پور ہوجاتا اور جو تشنگی ابھی نظر آرہی ہے وہ بھی دور ہوجاتی۔خاص بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے کتاب میں مذکور دوسری شخصیات کے تعارف میں اس بات کا جگہ جگہ اہتمام کیا ہے۔

مولانا مودودیؒ کے بعد مصنف موصوف نے مولانا جلیل احسن ندوی علیہ الرحمہ کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔اس تعارف میں خاص طور سے 'تدبر قرآن پر ایک نظر' اور 'افادات مولانا جلیل احسن ندوی' کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔تدبر قرآن کے حوالے سے ایک بات یہاں قابل ذکر معلوم ہوتی ہے کہ مولانا کے کچھ افادات تو ماہ نامہ زندگی نو میں شائع ہوئے تھے، جو بعد میں مولانا نعیم الدین اصلاحی نے مرتب کیے اور کچھ افادات وہ ہیں، جو جامعۃ الفلاح کی مرکزی لائبریری میں محفوظ مولانا ندوی کے ذاتی نسخہ 'تدبر قرآن' کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں۔ضرورت ہے کہ ان کو بھی تحقیق کے مراحل سے گزار کر زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔

کتاب میں تیسرے نمبر پر مولانا ابوسلیم محمد عبدالحی علیہ الرحمہ کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کی خدمات میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔مصنف نے ان کا احاطہ کرنے کی شان دار کوشش کی ہے۔ مصنف کا یہ احساس بالکل بجا ہے کہ ''مولانا محمد عبدالحی نے ہر طبقہ: بچوں، بچیوں، مرد و خواتین کے لیے جو مختصر قرآنی تخلیقات وراثت میں چھوڑی ہیں، تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں فکر اسلامی کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ہندو مسلم ہر طبقہ کے اشراف اور عام سطح کے لوگوں تک قرآنی تعلیمات کی ترسیل میں ان کی خدمات سے انکار مشکل ہے''۔(ص۴۷)

آگے مصنف موصوف نے مولانا سید حامد علی مرحوم کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا ہے۔اس باب میں ان کی قرآنی خدمات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔جگہ جگہ مصنف نے اُن پہلوؤں کی جانب بھی متوجہ کیا ہے، جن پر ابھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔مولانا حامد علی کی قرآنی خدمات کے حوالے سے ایک جگہ سرسری طور پر 'ترجمہ و مختصر تفسیر، مجمع ملک فہد، ریاض' کا تذکرہ بھی آگیا ہے، جس کی کوئی

تفصیل پورے تعارف میں کہیں نہیں ملتی۔ ناچیز کے علم کی حد تک یہ ایک پروجیکٹ تھا، جس میں ترجمہ پر کام کرنے کے لیے مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی اور تفسیر پر کام کرنے کے لیے مولانا سید حامد علی مرحوم کو مامور کیا گیا تھا، لیکن سوئے اتفاق کہ یہ پروجیکٹ تشنۂ تکمیل رہ گیا۔

پانچویں نمبر پر مولانا شمس پیرزادہ مرحوم کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس میں ان کی تفسیر 'دعوۃ القرآن' کے حوالے سے بھرپور تعارف کرایا گیا ہے۔ البتہ مرحوم کے حوالے سے مصنف کا یہ خیال کہ وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قرآنی افکار سے بھرپور موافقت رکھتے تھے، محل نظر ہے۔ اس ضمن میں مولانا نعیم الدین اصلاحی کی کتاب 'قرآنیات' (ناشر: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی) میں موجود طویل بحث 'دعوت القرآن اور فریضہ اقامت دین' سے کافی حد تک مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔

اس کے بعد بالترتیب مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا محمد سلیمان قاسمی، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، ڈاکٹر عرفان احمد خان اور مولانا محمد فاروق خان کی قرآنی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی علیہ الرحمہ کی خدمات قرآن کے حوالے سے نہایت ہی اہم اور قابل قدر ہیں۔ تیسیر القرآن اور تلخیص تفہیم القرآن کے علاوہ آپ کی قرآنی تصانیف جماعت اسلامی کے لٹریچر میں اپنی امتیازی شان رکھتی ہیں۔

مولانا محمد سلیمان قاسمی کی تفسیر 'دروس القرآن' عوام الناس کو پیش نظر رکھ کر کی جانے والی ایک اہم اور مفید کوشش ہے۔ مصنف موصوف نے مولانا مرحوم کی تفسیر کے متعدد اہم پہلوؤں پر اچھی بحث کی ہے۔

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی خدمات علمی اور اکیڈمک اسلوب میں تفہیم القرآن کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کے حوالے سے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ تفہیم القرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ آپ کی گراں قدر قرآنی خدمت ہے۔

ڈاکٹر عرفان احمد خان مغرب میں قرآن کے حوالے سے اپنی علمی وعملی کوششوں کے لیے معروف ہیں۔ آپ کی انگریزی زبان میں قرآنیات کے حوالے سے کئی اہم تصانیف ہیں۔ ان کی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے مصنف موصوف لکھتے ہیں: ''اہم بات یہ کہ ایک مسلم فلسفی ودانش ور کی انگریزی زبان میں قرآنی خدمت اس لائق ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے اردو بولنے والوں کے درمیان اس کا تعارف کرایا جائے، تاکہ امریکہ اور یورپ میں قرآن فہمی کے لیے کی جانے والی کوششوں سے آگاہی ہو سکے اور مشرق ومغرب میں قرآن فہمی کی

ثقافت کوفروغ دیا جاسکے۔‘‘(ص۱۸۸)

مولانا محمد فاروق خان کی قرآنی خدمات میں بھی غیر معمولی تنوع اور وسعت پائی جاتی ہے۔ خاص طور سے ہندی زبان میں قرآن کی خدمت کے حوالے سے آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔اردو ترجمہ قرآن، ہندی ترجمۂ قرآن، تفسیر قرآن بزبان ہندی (زیراشاعت) اور تفسیر قرآن بزبان اردو (زیر تیاری)اور مولانا کی دوسری قرآنی تصانیف قرآن مجید کی خدمت کے حوالے سے بہت اہم اور معتبر کاموں میں شمار ہوتی ہیں۔

یقیناً ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی اس کوشش پر اردوداں حلقے کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بہت خوب صورتی کے ساتھ، عام فہم اسلوب میں اردو، انگریزی اور ہندی زبانوں میں قرآنی خدمات انجام دینے والی دس منتخب شخصیات کا بہترین تعارف کرایا۔امید کہ موصوف اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھائیں گے۔اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کے علاوہ عربی زبان اور دوسری علاقائی زبانوں میں جماعت اسلامی کے فضلاء کی جو غیر معمولی قرآنی خدمات ہیں، ان کا بھی تعارف کرائیں گے اور جن اہم اور بنیادی شخصیات کا تذکرہ اس کتاب میں رہ گیا ہے، انہیں بھی آئندہ ایڈیشن میں شامل فرمائیں گے،بطور خاص مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ، جن کو جماعت اسلامی کے حلقے میں آج بھی عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور جن کا جماعت اسلامی کی تشکیل میں بنیادی اور کلیدی رول رہا ہے۔مولانا اختر احسن اصلاحی علیہ الرحمہ جن کی خدمات قرآنی شخصیات کی تیاری کے حوالے سے بہت ہی اہم مانی جاتی ہیں، جن سے مولانا مودودی علیہ الرحمہ تفہیم القرآن کی تیاری کے دوران مشکل مقامات کے سلسلہ میں رجوع کیا کرتے تھے، جیسا کہ مکاتیب مودودی اور دوسرے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر غلام اعظم صاحب، جن کی بنگلہ تفسیر بنگالی حلقوں میں بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، جن کی تفسیر جماعت اسلامی کے حلقے سے عربی زبان میں لکھی جانے والی پہلی تفسیر ہے۔ جناب خرم مراد صاحب، جن کا قرآن کی مختلف سورتوں کی تفسیر پر بھی کام ہے اور جن کی قرآن کے حوالے سے بھی کئی اہم کتابیں ہیں، جن میں سے کئی ایک اہم کتابیں وہ ہیں جو آج بھی نئی نسل کے درمیان بہت شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتاب طباعت اور گیٹ اَپ وغیرہ کے اعتبار سے عمدہ ہے، البتہ کتابت کی کافی غلطیاں ہیں۔امید کہ اس جانب بھی آئندہ ایڈیشن میں توجہ دی جائے گی۔

رجائیت کا دلکش استعارہ: ارشد جمال صارم

ڈاکٹر ابوضیغم خان شارق

جب بھی کسی شاعر کا پہلا مجموعۂ کلام منظرِ عام پہ آتا ہے تو ادب سے وابستہ افراد اس کی شاعری کو عام انداز میں نہیں، بلکہ ایک ناقد کی طرح پڑھتے ہیں اور پھر اس کا معیار طے کرتے ہیں۔ 'سخن زاد' بھی شاعر کا پہلا کلام ہے، مگر میں دیکھ رہا ہوں کے اس کلام کو ہندو پاک میں یکساں مقبولیت مل رہی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شعری مجموعہ نے اردو ادب سے وابستہ افراد کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔

ارشد جمال کی شاعری و شخصیت کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ شاعر کی شاعری پہ تبصرہ اگر اس کی شخصیت کا علم رکھ کر کیا جائے تو یہ ایک مکمل جائزہ ہوتا ہے۔ اشعار شاعر کی شخصیت کی غمازی تو کرتے ہی ہیں، ساتھ ہی کن حالات میں شعر کہے گئے ہیں، اگر یہ علم ہو جائے تو شعر پڑھتے وقت منظر و پس منظر دونوں سامنے آ کر شعر کے دامن میں چاند تارے جڑ دیتے ہیں۔

سخن زاد میں ۹۹ غزلیں ہیں (ابتدا مناجاتی غزل سے ہے) اور ہر غزل کا اپنا وصف، اپنی جاذبیت۔ آپ کسی بھی غزل کو کسی سے کمتر نہیں گردان سکتے، سب کا اپنا رنگ اپنا روپ ہے، مگر پورے مجموعہ کلام کی قرات سے یہ اجتماعی تاثر ضرور ملتا ہے کہ شاعر خود کو کار پیغامبری پر مامور سمجھتا ہے۔ محبت کا پیغام بر، امن و آشتی کا پیغام بر، حوصلوں کا پیغام بر اور سب بڑھ کر شکست خوردہ لمحوں کے لیے بیم و رجا کا پیغام بر۔ آپ ان پورا کلام پڑھ جائیں آپ کو شاعر ایک پیغام واضح طور پر دیتا نظر آتا ہے۔ کم و بیش صارم کی ہر غزل میں ایک شعر ایسا ضرور مل جاتا ہے جو رجائیت کے پیمانے پر پورا اترتا ہے:

غور سے دیکھو وہ ہے سامنے منزل کا نشاں　　یاں تلک آ کے نہ اب حوصلہ ہارو یارو!!
ستارہ بن کے چمکتا رہوں گا صدیوں تک　　فلک گواہ رہے گا میرے اُبھرنے کا
ختم ہو جاتا ہے یکدم عالمِ ناممکنات　　گھیر لیتی ہے یکا یک موجِ امکانی مجھے
بس ڈوبنے ہی والے تھے خوابوں کے قافلے　　دریا سپردِ ضربِ عصا کر دیا گیا
اپنی پنہائی کو افلاک کی وُسعت کم ہے　　اوک میں اپنی سمندر بھی سما سکتے ہیں

سخن زاد کا خالق کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتا، حالات کا مقابلہ کرتا ہے۔ جدوجہد سے بھری دنیا میں مایوسی کو کفر جاننے والا شاعر ایک ایک لفظ کو امانت جان کر متانت کے اعلیٰ ترین معیار کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر اتارتا ہے:

لازم ہے اس کو لفظ کی حرمت کا ہو خیال فضلِ خدا سے جو بھی سخن آشنا رہے

اشعار میں رجائیت شاعر کی شخصیت کی غمّازی ہے تو شعر کا حسن بھی ہے۔ ارشد جمال صارم کی غزلیں ندرت خیال، جدت طرازی اور تشبیہہ واستعارے سے بھری پڑی ہیں۔ شاعر کے تخیّلات کا دائرہ کائنات کی وسعت کو بھی ناپ لیتا ہے:

آسماں سوتا ہے شب بھر میرے سینے میں کہیں چاند تارے میری آنکھوں میں جگا کرتے ہیں
مستقل رہتا ہے مجھ پر منعکس اک آئینہ دیکھتی رہتی ہے پیہم ایک حیرانی مجھے

ندرت خیال کی یہ بلندی آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی۔ یہ عمیق مطالعہ، گہری آگہی، بلند ادبی ذوق اور نازک احساسات کے ساتھ وجود پذیر ہوتی ہیں:

کھلے تھے در تو نہ تھی روشنی کی کوئی کرن چراغ اترنے لگے جسم جب مزار ہوا

یہ نازک احساس ہی صارم کے سخن زاد کو ممتاز کرتا ہے۔ یہاں الفاظ ہاتھ باندھے صف آرا پھرا کرتے ہیں:

تشنہ لب پھرتے ہیں الفاظ مرے چاروں طرف میں نے یوں ہی تو نہیں رکھا ہے دریا اسلوب

یہ شاعر کبھی وقت کے ہاتھوں پہ مہندی لگاتا ہے تو کبھی اُجالوں سے آنکھیں دھوتا نظر آتا ہے، کبھی آنکھیں تہہ کر کے رکھ دیتا ہے تو کبھی لہو تھوکتا پھرتا ہے اور کبھی حیرانی کی شدّت اس کی آنکھوں کو اُدھیڑ کے رکھ ڈالتی ہے۔ ندرت خیال اور جدت طرازی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

دیکھتے ہی گھیر لیتی ہیں مجھے غم زادیاں کیوں ایک میں ہی خاک زادہ ہوں جہاں بھر میں اکیلا
مری آنکھیں اُدھڑتی جا رہی ہیں یہ کن حیرانیوں کا مستقر ہوں
یہ کیوں ابھی سے لہو تھوکنے لگا ہے قلم ابھی تو صرف کہانی کی ابتداء ہوئی ہے
رائیگانی سے خواب کی ڈر سے آنکھ رکھ دی گئی ہے تہہ کر کے
میں اُجالوں سے دھلا کرتا تھا آنکھیں اپنی جب ترا عشق چراغِ دل و جاں ہوتا تھا
درد کی اُگتی ہے میری کشت جاں میں اسنی ہجر مجھ میں ریشۂ خطمی ہے ہزاروں جاں سے

شاعری ایک تاریخ نویسی ہی تو ہے، جو حالات کی بھٹی میں پک کر جواں ہوتی ہے۔ تخیلات کو شعر کے قالب میں ڈھالنا اذیت ناک عمل ہے:

اذیّت کسب کرتا ہے مسلسل تخیّل شعر کہلانے سے پہلے

مگر ہر شاعر اس عمل سے گزرتا ہے۔ شاعر کی طبیعت میں حساسیت بھری ہوتی ہے اس لیے وہ روز و شب کے کسی بھی لمحے کہیں بھی سخن زاد بن سکتا ہے۔ ارشد جمال صارم بھی اپنے حالات کا بہت مناسب تجزیہ اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ انسانی جبلّت کے ممکنہ اثرات سے ان کا کلام خالی نہیں ہے:

یہ کون لوگ ہیں حیوانیت پہ آمادہ   یہ کیوں ہیں شاملِ غارت گری بشر رہتے
دعائیں زیست کی وہ لوگ دے رہے ہیں مجھے   کہ جن کو جشن منانا ہے میرے مرنے کا
تو پھر کہاں سے ہو قائم فضائے امن و اماں   چراغ خود ہی اندھیروں کی جب مدد کیے جائیں
رکھ کر کھڑاؤں پھر سے سنگھاسن پہ دی   ہردے چلا گیا ہے بنوں کی پناہ میں
ہونا تھا جس کو صبح کی اجلی پناہ میں   وہ جا کے شب نژادوں کی ٹولی میں مل گیا

شاعر نہ صرف معلّم ہے وہ طبیب بھی ہے اس کی زندگی ویسے بھی گمنام نہیں گزری؟ زمانۂ طالب علمی سے ہی وہ سماج سے منسلک ادبی محفلوں میں اپنی موجودگی درج کرتا رہا ہے، مدیر بھی رہا ہے، جب شاعر خود کئی کتابوں کا مصنف ہو تو اشعار میں بلندیٔ افکار ملنی ہی چاہیے:

کہیں بھی وسعت افلاک میں نہیں ملتا   خدا اگر دلِ صد چاک میں نہیں ملتا
وگرنہ اندھے کنویں میں بھٹکتے رہ جائیں   خدا شناسی ہے لازم خود آگہی کے لیے
کیوں بھلا بیٹھا ہے انساں کہ دمِ روزِ الست   تھا کوئی اُس نے درِ پاک سے وعدہ باندھا
کہیں کہیں پہ تو پتھر بھی بول اٹھتے ہیں   کبھی کبھی تو خدا بھی خدا نہیں ہوتا

صارم کی شاعری گرچہ ندرت خیال، جدت طرازی، اشارات و کنایات سے بھری پڑی ہے، مگر یہ قاری کو بوجھل نہیں کرتی۔ بلکہ غزلوں کا ترنّم دل کو اشعار سے جوڑے رکھتا ہے:

تمام رنگ ہیں وحشت کے مجھ میں ہونے سے   دھواں نہ ہو جو نظر میں تو پھر نظارہ نہیں
ناز و انداز ترے ایسے ہی ازبر ہیں کہ ہم   تیری آواز کی تصویر بنا سکتے ہیں
تمھیں بھی سیکھنا ہوگا ہنر ضبط اذیّت کا   یہ کیا کہ ٹیس اٹھی آنکھ سے پانی نکل آئے
کہاں اب آنکھیں مکلّف ہیں خود نگاہی کی   زمانہ اب وہ کہاں آئینوں سے ڈرنے کا
دنیا کو آسمان کی تھالی میں مل گیا   آنسو جو خاکِ گریہ وزاری میں مل گیا

ارشد جمال صارم کی شاعری شاعر کے نام کی طرح جمالیاتی بیان سے ہم آہنگ ہے۔ کوئی شک نہیں نوجوان شعرا میں صارم ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔

آپ کے خطوط

مدیر محترم جناب ضیاء الدین ملک فلاحی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیات نو خود اپنے لیے بھی حیات نو کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے اور امت بیمار کے لیے بھی اسے حیات نو بنائے۔ آمین۔

ایک عرصے سے میری تجویز تھی کہ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب کی نگرانی میں رسالہ حیات نو فلاحی ارباب علی گڑھ کے حوالے کر دی جائے۔ علمی وفکری خدمات علی گڑھ کے احباب انجام دیں اور مالی وسائل وتقاضے دہلی کے احباب پورے کریں۔ شکر ہے ویسی کچھ صورت نظر آنے لگی ہے۔ اللہ کرے یہ نظام عارضی ثابت نہ ہو۔

اس کے معیار کا خوش گوار اثر فلاح میں زیر تعلیم طلبہ پر بھی پڑے گا۔ تازہ شمارے میں متعلمین کے مضامین دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ تمام مضامین تو پڑھ نہیں سکا، مگر جتنا دیکھا اچھا لگا۔ امت مسلمہ اور اس کے قائدین کو اس وقت جو فکری اور سیاسی چیلنج درپیش ہے اور فکری اعتبار سے امت جس طرح بھٹک رہی ہے، اس وقت دلیرانہ فراست کے ساتھ رہ نمائی کی ضرورت ہے۔

والسلام

عبدالعزیز سلفی فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی

دعوت الی اللہ کی اہمیت وضرورت اوراس کا طریقہ کار۔عملی تجربات کی روشنی میں

۵رنومبر ۲۰۱۹ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جناب محمد اقبال ملا صاحب (سکریٹری شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند) کا خطاب بعنوان ’دعوت الی اللہ کی اہمیت وضرورت اوراس کا طریقہ کار۔عملی تجربات کی روشنی میں‘ ہوا۔

مولانا محمد طاہر مدنی صاحب (سابق ناظم جامعہ) نے مہمان خصوصی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ موصوف کا تعلق صوبہ کرناٹک سے ہے اور کرناٹک کے امیر حلقہ بھی رہے ہیں اور اس وقت شعبۂ دعوت جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری ہیں۔ ملک کی کئی ریاستوں میں آپ نے کافی دعوتی کام کیا ہے، مختلف کیمپ کے ذریعہ لوگوں میں دعوتی اسپرٹ پیدا کی ہے۔آپ نے ’جذبہ دعوت کی آبیاری‘ کے موضوع پر ایک بہترین کتاب بھی تصنیف کی ہے۔

مہمان خصوصی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہمارا نصب العین اقامت دین ہے اور ہمارا مشن دعوت دین ہے، تاکہ اللہ ہم سے راضی ہوجائے۔ یہ ایک ایسی بنیادی بات ہے، جس میں کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا ہے۔ ہماری اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ جب ہم دعوت پیش کریں تو ہو بہو ویسی ہی دعوت دیں، جو قرآن کریم میں ہے۔آپ نے دعوت سے متعلق چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتابیں ہندی میں ہیں اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے لیے بہت ہی اہم اور مفید ہیں۔امبیڈکر اسلام قبول کرنا چاہتے تھے،لیکن اسلام نہیں لاسکے۔انہوں نے دستور بنایا اور اب تک اس میں سینکڑوں تبدیلیاں ہوچکی ہیں۔اس ملک کو اب ہندو راشٹر بنانے کی تیاری ہے اور اسی راہ پر حکومت ہند گامزن ہے۔لیکن کیا انسان کا بنایا ہوا قانون امن لاسکتا ہے؟ کیا کفر وشرک کی بنیاد پر چلنے والا نظام عدل وانصاف قائم کرسکتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ نہیں۔اس

لیےان حالات میں دعوت الی اللہ کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے۔ماہرین کہتے ہیں کہ دنیا تیسری عالمی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔لیکن اس جنگ میں جیتنے والا خوش نہیں ہوگا۔کیوں کہ وہ خود زندہ نہیں رہ سکے گا۔اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی ۔زوال کے وقت مسلمان تیس یا پینتیس فیصد تھے ۔زوال کے بہت سارے اسباب تھے،جن میں ایک سبب یہ تھا کہ دعوت الی اللہ کے کام سے بے رغبتی برتی گئی ۔اسی لیے عیسائی آبادی میں کافی اضافہ ہوا۔

دعوت کا کام صرف پروگرام،تقریر،تحریر اور فولڈر سے نہیں ہوگا ، بلکہ برادران وطن سے تعلقات استوار کرنے ہوں گے۔ دنیا میں آج وہی انسان ہیں، جو عرب میں تھے ۔صرف وقت اور ذرائع میں تبدیلی ہوئی ہے ۔ جب عرب کے لوگ اسلام قبول کر سکتے ہیں تو ہندوستان کے لوگ بھی ہماری بات سن سکتے ہیں۔ بلکہ جب بھی برادران وطن سے اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں تو وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے ہیں اور آشرواد لیتے ہیں۔قرآن میں قولی اور عملی شہادت کی دعوت کے اصول بتائے گئے ہیں۔ برادران وطن سے اختلافی باتیں کرنا قرآن کے منافی ہے۔ برادران وطن کو دعوت بالقرآن کی طرف بلائیں۔ مکہ سے ہمارے ملک کے حالات بہت ملتے جلتے ہیں۔ جب برادران وطن کے سامنے قرآن کی آیات عربی میں پڑھ کر سنائیں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ایک اہم بات یہ کہ خدمت انسان کا جذبہ ہم اپنے اندر کریں، بےلوث ہوکر انسانوں کی خدمت کریں۔ برادران وطن کے سامنے اسلام کا ایک مکمل نمونہ ہم عملی شکل میں پیش کریں۔ تا کہ اگر وہ مومن نہ بن سکیں تو کوئی بات نہیں، لیکن وہ ابوطالب تو بن پائیں۔اس کے علاوہ انہوں نے کئی واقعات ومشاہدات وتجربات بھی بیان کیے۔آخر میں طلبہ کی طرف سے آنے والے تمام سوالات کے مہمان نے تشفی بخش جوابات دیے۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی صاحب نے انجام دیے۔

جماعت اسلامی ہند کے طریقۂ دعوت کی خصوصیات

۵رنومبر۲۰۱۹ء بروز سہ شنبہ جامعہ کی مرکزی لائبریری ہال میں بعد نماز مغرب ایک محاضرہ جناب اقبال ملا صاحب کا بعنوان’ جماعت کے طریقۂ دعوت کی خصوصیات‘ منعقد ہوا۔

حمد وثنا کے بعد مہمان نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ دعوت کا کام ایک اچھا کام ہے۔اگر اس کام کو ہم انجام نہیں دیں گے تو پھر ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ پھر موصوف نے جماعت اسلامی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقامت دین ہے۔یعنی اللہ کے دین کو پوری دنیا میں قائم کرنا۔دین کا دائرہ

بہت وسیع ہے۔ جماعت نے محسوس کیا کہ جب تک ہم غیر مسلم بھائیوں کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوں گے، تب تک ہم ان کو دعوت نہیں دے سکتے۔ ہمارا کردار ایسا ہو کہ غیر مسلم دیکھ کر سمجھ جائے کہ یہ اسلام ہے۔ پھر جب ہم اپنے عمل سے ایسا کریں گے تو آگے کا مرحلہ ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔ صحابہ کرام ہر جگہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرتے، ایک ساتھ رہتے، کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے۔ ان کا مقصد صرف دعوت دین تھا۔ جماعت اسلامی چاہتی ہے کہ پوری ملت داعی بنے۔ چنانچہ کچھ لوگ دعوت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور دعوت کا کام کر رہے ہیں۔ دعوت کا تصور وہی ہے، جو قرآن وحدیث میں ہے۔ کسی کو نماز سکھانا، کلمہ یاد کرانا بھی قابل قدر کام ہے، لیکن قرآن وحدیث کے تمام امور کو اپنی دعوت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اصل کام ہے۔ جماعت اسلامی کی دعوت دعوت تک نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت اقامت دین ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت پر غور کرو۔ انہوں نے دعوت کی پوری اسکیم کو لوگوں کے سامنے رکھ کر کام کیا۔ برادران وطن کہتے ہیں کہ مسلمان ہر جگہ پیچھے ہیں تو اس قوم کی دعوت کو کیسے قبول کریں۔ دنیا میں مسلمان تو نظر آ رہے ہیں، لیکن اسلام نظر نہیں آ رہا ہے۔ قرآن خدمت خلق سے بھرا ہوا ہے۔ جماعت اسلامی خدمت خلق کا کام بھی کر رہی ہے۔ وہ ایک دینی معاشرہ اور ایک صالح سماج بنانا چاہتی ہے۔ سنگین مسائل کو حل کرنا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی یہ بتانا چاہتی ہے کہ مسلمان صرف داعی ہیں۔ جماعت اسلامی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا کام بھی کر رہی ہے۔ جماعت دعوت کے لیے جدید ٹکنالوجی اور میڈیا کو استعمال کر رہی ہے۔ جس طرح آپؐ نے کوہ صفا پر جا کر دعوت دی۔ پروگرام بہت ہی پر مغز اور سیر حاصل محاضرہ رہا۔

اخیر میں طلبہ کی طرف سے بہت ہی قیمتی سوالات آئے۔ مہمان موصوف نے تمام سوالات کے اطمینان بخش جوابات دیے۔ اس نشست میں عالمیت اور فضیلت کے طلبہ نے شرکت کی، نظامت کے فرائض جناب مولانا رئیس احمد فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

ہم دعوت کیسے دیں؟

۶ رنومبر ۲۰۱۹ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں 'ہم دعوت کیسے دیں؟' کے عنوان پر جناب محمد اقبال ملا صاحب کا طلبہ سے خطاب ہوا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مہتمم تعلیم وتربیت مولانا نعیم الدین اصلاحی نے مہمان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ ایک عظیم اور تجربہ کار داعی ہیں۔ جماعت اسلامی ہند کے شعبۂ دعوت کے سکریٹری ہیں۔ کرناٹک سے آپ کا تعلق ہے اور آپ کے نام کے آگے جو لفظ 'ملا' ہے، وہ خاندان کی طرف نسبت ہے۔ یعنی اس خاندان کے لوگ مذہبی تھے اور مسائل حل کرتے تھے۔

مہمان خصوصی نے 'ہم دعوت کیسے دیں'؟ کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت اسلامی ہند نے ملک کی چودہ زبانوں میں قرآن اور مختلف اسلامی لٹریچر کا ترجمہ کرکے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔اس ملک کی کئی ریاستوں میں عیسائی آبادی کی کثرت ہے۔وہاں جانے کا موقع ملا۔ بہت ہی خوں خوار لوگ تھے۔جیسے میگھالیہ، ناگالینڈ میں ستر فیصد یا اس سے زائد عیسائی آبادی ہے۔سوال یہ ہے کہ آخر یہ اتنی زیادہ آبادی کیسے ہوئی؟ حالاں کہ سوڈیڑھ سو سال پہلے عیسائی وہاں آئے تھے وہاں مسلمان بھی ہیں لیکن دعوت کا کام نہیں کیا۔ ان ریاستوں میں ایک مقولہ مشہور ہے جہاں سورج کی کرنیں نہیں پہنچتی وہاں مشنری پہنچ جاتا ہے۔کئی جگہ ہندوستان میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو امریکہ یا ترقی پذیر ممالک کے رہنے والے تھے لیکن وہاں کے عیش وآرام کو چھور کر وہ ہندوستان میں رہ رہے ہیں اور پہاڑوں میں جہاں جانا مشکل ہے رہنا مشکل ہے لیکن عیسائی مشنری عیسائیت پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ ہم اس دعوت دین میں کتنے پیچھے ہیں؟ آپؐ نے مکہ سے تن تنہا دعوت شروع کی پھر مکہ سے یہ دعوت مدینہ اور دوسری جگہوں پر پہنچی جنگ بدر میں ۳۱۳ مسلمان تھے۔فتح مکہ کے وقت چالیس ہزار اور حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ تھے پھر یہ دعوت دوسرے براعظموں تک پہنچ گئی۔اس دعوت میں بہت طاقت ہے۔دنیا کی کوئی طاقت اس دعوت کو نہیں روک سکتی۔اس ملک میں دعوت دین کی ذمہ داری ہماری ہے۔یہ اسلام ساری دنیا کے لیے ہے۔مسلمان تمام لوگوں کے لیے ہیں۔شرک، کفر والحاد کی بنیاد پر کوئی انقلاب نہیں آئے گا۔اس ملک میں دعوت دین کو لوگوں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔آپ یہ مت دیکھیے کہ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔حضرت علیؓ نے آپؐ کی ایک مجلس میں اپنے آپ کو پیش کر دیا حالانکہ اس وقت وہ صرف چودہ سال کے تھے۔آپ لوگ اسلام کو ایک مکمل نظام حیات بنا کر پیش کریں۔اسلام تمام مسائل کو حل کرتا ہے۔شرک توحید رسالت، آخرت پر کچھ آیات اور احادیث آپ کو یاد ہونی چاہیے تاکہ مدعو کے سامنے ان آیات اور احادیث کو پیش کرسکیں۔اسی طرح یا **ایھاالناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا**،اس آیت کو مدعو کے سامنے پیش کر کے ترجمہ اور وضاحت کریں۔اس ملک میں سات ہزار پانچ سو ذاتیں ہیں لیکن صرف اسلام ان سب کو برابر کہتا ہے۔بقیہ سب لوگ اونچ نیچ کے قائل ہیں اس لیے کوئی بھی اس دعوت کی برابری نہیں کر سکتے ہیں۔لوگوں سے مساوات انسانی تکریم، عدل وانصاف کی بات کریں۔ داعی کو خدمت انسان سے لیس ہونا چاہیے۔لیکن دعوت داعی کے لیے ضروری ہے۔کردار نبویؐ سے پیش آئے ہر جگہ داعی بندوں کی بے لوث خدمت کرے۔آپؐ اور حضرت عمرؓ کے کئی واقعات اس سلسلے میں پیش کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے اس سلسلے میں بہت سے واقعات ہیں۔ان کو مدعو کے سامنے پیش کریں۔ یہاں کی

آبادی نے دیکھا کہ اسلام کے ماننے والے ایک ساتھ ایک دسترخوان پرہمیں کھلاتے ہیں۔ جب کہ ہمیں انسان سمجھا ہی نہیں جاتا ہے۔اس سے ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ یہ ہندو بھائی ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کریں گے تو وہ آپ کے سامنے سر جھکائیں گے۔ موصوف نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک ہندو آل انڈیا تنظیم کے صدر تھے۔ ملاقات کا شرف ملا کچھ اعتراضات کیے لیکن ہم نے ان سے باتیں کیں وہ قرآن اور دوسری چیزیں انگریزی میں پڑھتے ہیں ہم نے کہا کہ ہندو مذہب کو سمجھنے کے لیے کوئی کتاب بتایئے تاکہ ہندو مذہب کو سمجھ سکیں۔انہوں نے جواب دیا کہ ہم خود ہندو مذہب کو اب تک نہیں سمجھ سکے۔ حالانکہ ہندو تنظیم کے آل انڈیا نائب صدر ہیں۔ تاتاری قوم کتنی جنگلی تھی ۔فرات ودجلہ میں ایک کا پانی مسلمانوں کے خون سے لال اور دوسری ندی کا پانی کتابوں کو پھینکنے کی وجہ سے کالا ہوگیا تھا۔لیکن پھر وہی قوم اسلام لائی۔ یورپ کے لوگ عیسائی مشنری آگے بڑھانے کے لیے انتھک کوشش کررہے ہیں۔ جب کہ ہم اس عظیم مشن سے غافل ہیں۔اس لیے ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور دعوت جیسے عظیم فریضہ سے بے رغبت نہیں ہونا چاہیے۔اخیر میں طلبہ کے تمام سوالات کے مہمان نے تشفی واطمینان بخش جوابات دیے۔نظامت کے فرائض جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی مدنی صاحب نے انجام دیے۔

نشست ارکان وکارکنان

۶/نومبر ۲۰۱۹ء بروز چہارشنبہ جامعہ کے مرکز الدعوۃ ہال میں ایک نشست ارکان جماعت وکارکنان کے ہمراہ ہوئی جس میں جامعہ کے اساتذہ وکارکنان کے علاوہ بلریا گنج اوراس کے اطراف موقر حضرات نے شرکت کی۔

تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔اس کے بعد نشست میں شریک تمام لوگوں نے اپنا تعارف کرایا۔ پھر مہمان خصوصی نے گفتگو کے انداز میں مختلف سوالات کے جوابات دیے۔اور اپنے بہت سے دعوتی کام کے مشاہدات وتجربات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک عیسائی خاتون کے پورے گھر کو منصوبہ بندی کے ساتھ ماردیا گیا۔لیکن اس خاتون نے بعد میں کہا کہ اب میں عیسائی مشنری کا کام اور زیادہ کروں گی۔اور تمام قاتلین کو اس نے معاف کردیا۔اسی طرح ہندوستان کی کئی ریاستوں میں عیسائی آبادی کیسے بڑھ گئی؟ جب میں وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی وہاں موجود ہے لیکن دعوت کا کوئی کام نہیں کیا۔ چنانچہ دعوت کے کام سے بے رغبتی کا یہ نتیجہ نکلا کہ بعض ریاستوں میں عیسائیت کا غلبہ ہوگیا۔اس نشست میں تقریباً پچاس لوگوں نے شرکت کی۔نظامت کے فرائض جناب مولانا عمران فلاحی صاحب نے انجام دیے۔

دعوت وتبلیغ میں خواتین کا کردار

جناب اقبال ملا صاحب سکریٹری شعبۂ دعوت جماعت اسلامی ہند کا بعنوان دعوت وتبلیغ میں خواتین کا کردار ہوا مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے مہمان کا تعارف کرایا۔ مہمان خصوصی نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اپنے موضوع دعوت وتبلیغ میں خواتین کا کردار پر روشنی ڈالی۔ سب سے پہلے آپ نے امت کے دعوت دین کے فریضے کی ادائیگی سے غفلت پر افسوس ظاہر کیا۔ وہ امت جس کو بہترین خطاب دے کر دعوت وتبلیغ کے لیے برپا کیا گیا تھا وہ صرف چودہ سو سال بعد ہی دعوت کو بھول کر یہ سوچ رہی ہے کہ دعوت وتبلیغ کیا ہے اور اس امت کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارا کام دعوت وتبلیغ ہے۔

اس کے بعد انہوں نے دعوت کی اہمیت اور اس سلسلے میں ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ دنیا کے سارے نظام میں سے اچھا نظام نبوت کے بعد کلمہ دعوت کا ہے۔ وہ چیز جس کی عزت جس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج چاند وغیرہ بنائیں وہ ہے انسان کو اللہ کی طرف بلانا اور انسان کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا سب سے اونچا کام ہے اور جماعت اسلامی ہند کا مقصد یہی ہے کہ انسان کو اللہ کی دعوت کی طرف بلانا یہ کام ہمیں کرنا ہے۔ جماعت اسلامی کے کہنے پر نہیں بلکہ اگر جماعت اسلامی نہ ہوتی تو بھی ہر انسان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلائیں۔

دعوت کا کام کیسے کریں؟ ہمارے ملک میں عیسائی ہندو ہیں۔ ہم رسالت کے بارے میں سمجھائیں (مثال کے طور پر حضرت آدمؑ پہلے اور حضرت محمدؐ آخری نبی ہیں۔ آخری نبی کیوں ہیں اس کو غیر مسلموں کو سمجھانا پڑے گا کیوں کہ اکثر یہ سوال ہوتا ہے آپ آخری نبی کیوں ہیں؟

انہوں نے بتایا کہ ہمیں بہت ہی سوچ سمجھ کر سوشل میڈیا کا استعمال کرنا چاہیے۔ دعوت کے لیے سوشل میڈیا کے استعمال میں مسلمان دوسروں سے آگے ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف ایپس ہیں لیکن تعلیمی کام میں نہیں۔ اسی طرح ہمیں دعوت کے سلسلے میں بہت سی قیمتی باتوں سے ہمیں مستفید کیا۔ دعوت دین کے سلسلے میں ہم پر عائد ہونے والی یہ ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ محاضرہ کافی دل چسپ، پرمغز اور معلومات سے پر تھا۔ بہت ہی دل چسپی سے محاضرہ کی سماعت ہوئی۔ اخیر میں طالبات کی جانب سے سوالات کیے گئے۔ مہمان خصوصی نے مدلل اور اطمینان بخش جوابات دیے۔

اس محاضرہ میں شعبہ اعلیٰ کی طالبات اور جملہ شعبہ جات کی معلمات نے شرکت کی، نظامت کے فرائض محترمہ سلمیٰ سلامت اللہ فلاحی صاحبہ نے انجام دیے۔

جناب اقبال ملا صاحب کا جامعہ کی مسجد میں خطبہ جمعہ

۸/نومبر بروز جمعہ خطبہ جمعہ میں مہمان خصوصی اورطویل دعوتی تجربہ کار جناب محمد اقبال ملا صاحب نے فرمایا کہ دعوت دین ہی امت کا مقصد وجود ہے۔اس لحاظ سے امت کی ذہن سازی ہونی چاہیے۔ پوری امت کا یہی کام ہے، ہر شخص داعی ہے۔ ہمارا نصب العین اقامت دین ہے۔ ہمارا مشن دعوت الی اللہ ہے۔محرک رضائے الٰہی ہے۔اور راہ اجتماعی جدوجہد ہے۔ دعوت اسلامی کا امتیاز یہ ہے کہ یہ بندگی رب کی دعوت ہے۔اس کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔ یہ ظلم واستحصال سے بچانے اور عدل وانصاف قائم کرنے کی دعوت ہے۔ برادران وطن توحید رسالت اور تصور آخرت سے نا آشنا ہیں ان سب چیزوں کا برادران وطن سے تعارف کرانا ہماری ذمہ داری ہے۔

دعوت قرآن کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں دعوت کی اہمیت واضح ہے۔ ایک صالح معاشرے کی تعمیر اس دعوت پر ہی ہوسکتی ہے۔اس اہم فریضہ سے غفلت انتہائی خطرناک نتائج پر منتج ہوتی ہے۔اس کے لیے مدعو سماج کا گہرا مطالعہ بہت ضروری ہے۔اچھے تعلقات کی استواری درکار ہے۔ بلاکم کاست دعوت قرآنی پیش کی جائے۔ دردمندی سوز اور اپنائیت ہو۔قولی بھی ہو اور عملی بھی ہو۔توحید کو بنیاد بنائیں۔قرآن کو وسیلۂ دعوت بنائیں اور آیات قرآنیہ پڑھ کر سنائیں۔خدمت انسان اور بےلوث ہوکر خدمت خلق کا کام کریں ہندوستان میں دعوت اسلامی کا تجربہ بہت ہی منفرد اور سودمند ہے۔ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور امت وسط، خیرامت امۃ یدعون الی الخیر اور ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا کے سانچے میں ڈھل جانا چاہیے۔

اس کے علاوہ مہمان خصوصی جناب محمد اقبال ملا صاحب کے قرب وجوار میں خطابات ہوئے۔جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

موضوع	مقام
۱۔دعوت دین میں خواتین کا کردار	جامعۃ الصلاح،نصیر پور(مسجد ام ورقہ)
۲۔دعوت وتبلیغ اور خواتین	ابواللیث ہال نسواں اسکول، چاند پٹی
۳۔امن وشانتی کا قیام کیسے؟	بازار خاص بلریا گنج۔

آخرالذکر عنوان پر خطاب عام میں برادران وطن کی ایک اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی۔

With best compliments from

ADHAM ALI
Managing Director

+91-9821 03 2562

Swaidan

MANPOWER CONSULTANTS

Regn. No. B0513/MUM/PER/1000+/10/8522/2009

Real Tech Park, 1013, 10th Floor, Sector 30/A
Near Vashi Railway Station, Vashi
New Mumbai-400703 (India)
Tel: +91-22-66441600, Fax: +91-22-66441688
E-mail: admin@swaidan.in
Website: www.swaidan.in

JARIDA HAYAT–E–NAU
December - 2019

RNI No: DELURD/2015/65862
Vol. IV Issue - XII

مڈل ایسٹ میں ملازمت کے خواہش مند حضرات کے لیے
ایک قابل اعتماد ادارہ

الھند فارن سروس ایجنسی

- اگر آپ میڈیکل لائن سے متعلق ہیں
- اگر آپ کوئی ہنر جانتے ہیں
- اگر آپ صرف پڑھے لکھے ہیں اور آپ کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے
- اگر آپ کا کسی ہوٹل انڈسٹری سے تعلق ہے
- اگر آپ عام لیبر یا مزدور ہیں

تو آپ اپنے پاسپورٹ کی کاپی، فوٹو اور بائیو ڈاٹا ہمیں بھیج دیجئے......اور دیگر تفصیلات کے لیے ہماری اطلاع کا انتظار کیجئے۔

وكالة الهند للخدمات الأجنبية

AL-HIND FOREIGN SERVICE AGENCY

Registration No.: B-0376/DEL/PER/1000+/5/1263/1984

Head Off: No. 73, Main Road, Near SBI
Zakir Nagar, New Delhi-110 025 (India)
E-mail: info@al-hind.com

Ph : 0091 - 11 - 26983980, 26983981
0091 - 11 - 26988375 / 76
Fax : 0091 - 11 - 26983982

Web: www.al-hind.com

Branch Office: 38, G.F. Ashoka Shopping Complex, Near G.T. Hospital
L.T. Road, Mumbai - 400 001 (India)
Ph. : 0091-22-22652906 Fax: 0091 - 22 - 22652910